

الہیہ بیان کرتے ہوئے معاش و معاد کی نفع مند راہوں کی طرف
ان کی رہبری کرتے لیکن مندر حکومت دار یکہ خلافت پر بیٹھنے کے
لائق ذات کے انتخاب میں اختلاف آراء، نزاع و خصوصیت کا بازار
گرم ہوا جس نے تین مختلف خیالات پیدا کر دیے۔

(۱) خلافت نبی کریم کے ساتھ مختص ہے خصوصاً "امیر المومنین علی
ابن ابیطالب" کیونکہ آپ سابق الاسلام و قرابت دار رسول ہونے کے
علاوہ زہد، علم، شجاعت اور بہت سے ایسے صفات حسنہ کے جامع
ہیں جو دیگر صحابہ میں نہیں پائے جاتے، اس خیال کے لوگوں کا یہ عقیدہ
تھا کہ یہ تخصیص ان کی من گڑھت نہیں ہے بلکہ حکم خدا اور رسول
کے موافق ہے (جیسا کہ انشاء اللہ تفصیل سے بیان ہوگا) یہ نظریہ شیوہ
جماعت کا تھا جس کے سرگروہ نبی ہاشم اور مؤید صحابہ کی ایک جماعت
تھی جس کے راس و رئیس مقداد، ابوذر غفاری، عمار اور سلمان تھے
ان کا یہ خیال تھا کہ امیر المومنین علی ابن ابیطالب امام مقرر صلی الطاعۃ
اور رسول کے خلیفہ بلا فصل ہیں جن کی بیعت واجب اور اس سے
تخلف ناجائز ہے۔

(۲) خلافت نہ صرف بنی ہاشم بلکہ تمام قریش کے ساتھ مخصوص
رہے اس نظریہ کی تائید میں رسالت آپ کی طرف منسوب قول
"الامۃ من قریش" نقل کیا گیا، اس خیال کے اصلی
باعث ابو بکر و عمر تھے ان کے پاس سوائے قریش کی طرف

نسباً منسوب ہونے کے اور کوئی ایسی دلیل نہ تھی جس سے انصار کے مقابل میں احتجاج کر سکتے چنانچہ ابو بکر نے سوا اس کے اور کچھ نہ کہا کہ

”ہم رسالت کے خاندان سے ہیں اور نسباً عربوں میں وسطی حصہ رکھتے ہیں کوئی قبیلہ قبائل عرب میں ایسا نہیں جس میں قریش کی اولاد نہ ہو، (نیز) قریش پہلا وہ گروہ ہے جس نے زمین پر خدا کی عبادت کی اور سب کے پہلے رسالت پر ایمان لایا یہی قریش اولیٰ اور عترت رسول ہیں آنحضرت کے بعد ان سے بڑھ کر خلافت کا حقدار اور کوئی نہیں ظالم کے سوا اور کوئی ان سے خلافت میں نزاع نہ کرے گا۔“

جب امیر المومنین علی ابن ابی طالب نے قریش کے اس استدلال کو دریافت فرمایا جس سے انھوں نے بروز سقیفہ انصار کو مجبور کر دیا تھا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ قریش نے کہا کہ ہم شجرہ رسول ہیں یہ سن کر آپ نے فرمایا، ”اجتوا بآل شجرۃ واضاعوا الثمرۃ“ یعنی درخت سے تو احتجاج کیا اور پھلوں کو ضائع کر دیا۔ مطلب یہ تھا کہ خاندان رسول سے احتجاج کرتے ہیں اور اہلبیت رسول کو چھوڑ دیتے ہیں۔

(۳) خلافت کسی گھریا خاندان سے مخصوص نہ رہنا چاہیے، یہ رائے انصار کی تھی اور ان کا خیال تھا کہ ہم مؤید اسلام انصار رسول اور سابق الاسلام ہونے کی وجہ سے احق بالخلافۃ ہیں اس خیال سے خوارج

دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امامت تمام نبی آدم میں عام ہے اور انسانوں میں ہر وہ شخص امام ہونے کا مستحق ہے جو قائم و عالم بالکتاب والسنة ہو اس تعمیم پر آیہ قرآنیہ (ان اکرمکم عند اللہ التقائم) سے استدلال کرتے ہیں بلکہ ان کے فرقہ بخدیہ نے اور زیادہ فراخ دلی سے کام لیکر یہ کہہ دیا کہ امت کو امام وغیرہ کی ضرورت نہیں بلکہ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو یہ لازم ہے کہ کتاب خدا کو اپنے مابین قائم کر لیں۔ لیکن اس عدم تخصیص کے نظریہ کو زیادہ رواج نہ ہوا اس لیے کہ قریب قریب تمام امت اسلامیہ اس پر متفق تھی کہ خلافت قریش ہی میں رہے اگرچہ خود قریش میں تعمیم و تخصیص کا اختلاف تھا یعنی یہ اختلاف تھا کہ خلافت تمام قریش میں رہے یا صرف بنی ہاشم میں۔

بعد وفات رسول تمام مسلمانوں کی فکر کا دار و مدار مذکورہ بالا تین نظریے تھے جو نہیں رسالت کے جدا قدس و روح مطہر میں مفارقت ہوئی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر خلافت اسلامیہ کے بارے میں گفتگو کرنے لگے ابو بکر و عمر بھی اطلاع پاتے ہی ان سے جا ملے اور مرشد اعظم کے جدا اظہر کو بے غسل و کفن چھوڑ آئے جب دونوں صاحب سقیفہ میں پہنچ گئے تو عمر نے کچھ کہنا چاہا جنہیں ابو بکر نے روک دیا اور خود قریش کی فضیلت اور ان کا استحقاق خلافت بیان کیا جس کے بعد قریش و انصار میں دیر تک مباحثہ ہوا کیا اور ہر ایک اپنے اپنے فضائل و مناقب گنوا تا یہ واجب بشرین

سعید خزر جی نے رجو خور سادات خزر ج اور حاسدین سید میں تھا
دیکھا کہ انصار اس پر متفق ہیں کہ سد کو امیر بنائیں تو اس نے کھڑے
ہو کر کہنا شروع کیا۔

”اے گروہ انصار ہم اگرچہ صاحبان فضا کل ہیں لیکن ہم
نے جہاد کر کے اور اسلام لا کر صرف خوشنودی خدا اور
اطاعت رسول کا ارادہ کیا ہے۔ اس کے ذریعہ سے نہ
تو ہم کو لوگوں پر بندی کرنا چاہیے نہ احسان جتانا اور
نہ ہم دنیاوی عوض کے طالب ہیں محمد قریشی تھے ان
کے بعد ان کی قوم میراث امامت کی حقدار ہے قسم
بخدا۔ خدا کبھی مجھ کو اس بارے میں نزاع کرتے نہ
دیکھے گا تم لوگ خدا سے ڈرو اور قریش سے نزاع و
مخالفت نہ کرو۔“

بشیر کے یہ کہنے کے بعد ابوبکر کو دعوائے خلافت کرنے کا پورا
راہ واقعہ مل گیا ابوبکر نے جانتے ہوئے بیٹوں مجھ پر اقدام نہ کریں گے
کہا، ”عذا عمر و ابو عبیدہ بالیعا انیما شئتم“ یہ عمر و ابو عبیدہ
یہ ان میں سے جن کی چاہے بیعت کر لو عمر و ابو عبیدہ ابوبکر کے
دو تھے جو اپنے لیے بیعت لینے سے باز نہ رہے اور عمر نے
مدی سے ابوبکر کی بیعت کر لی کیونکہ ان کو یہ بخوبی معلوم تھا کہ
ابوبکر غریب اہل بیت کے لیے خلافت کی وصیت کریں گے اور

اپنے مرنے کے پہلے ہی ان کو مدارالمہام خلافت بنا دیں گے جس پر امیر المومنین کا یہ قول ذیل ہے اطلب یا عمر حلبا لك شطره الشدولہ اليوم امر ليو دودہ عليك غذا یعنی اے عمر خوب دودہ دو ہو جس کا ایک حصہ تمہیں بھی ملے گا آج ابو بکر کے لیے اس کا امر مضبوط کر دو تاکہ کل تمہیں کو بدٹا دے۔ ہم ابو بکر کی اس بڑی کامیابی کا راز صرف حسب ذیل دو اصول کو سمجھتے ہیں۔

(۱) حضرت علی کا تجھیز رسول میں مصروف رہنا اور سقیفہ میں نہ تشریف لانا جس پر دلیل انصاری کی کثیر جماعت کا بیعت ابو بکر پر نااہم ہونا اور بعض کا بعض کو بلامت کرنا اور بار بار حضرت کے نام کو ذکر کرنا ہے۔ اسی طرح عامہ ہاجرین و انصار کا اس پر متفق ہونا کہ حضرت علیؑ ہی بعد رسالت صاحب الامر ہیں چنانچہ علامہ معتزلی نقل کرتے ہیں کہ جب عبد الرحمن بن عوف و زید ابن ارقم میں نزاع ہوئی تو آخر الذکر نے کہا کہ:

”ہمیں معلوم ہے کہ ان لوگوں میں جن کے تم نے قریش میں سے نام لئے ہیں ایک ایسی ہستی جس نے اگر یوم سقیفہ خلافت کو طلب کیا ہوتا تو کوئی اس سے نزاع

نہ کرتا صرف ذات (والا صفات) علی ابن ابیطالب سے ہے۔
 یہ اور اسی طرح دوسرے واقعات امیر المومنین کی عظمت کی
 تصویر کشی کر کے انظار مردم میں جو آپ کی وقوت تھی اس کو ظاہر
 کرتے ہیں اسی کی بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ کا سقیفہ بنی ساعدہ
 میں بہ نفس نفیس نہ تشریف لے جانا ابو بکر کو خلافت مل جانے
 میں بڑا مساعد ہو گیا، جب انصار نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا
 سے یہ کہا کہ اگر آپ کے ابن عم ابو بکر کے قبل ہم سے بیعت طلب
 کرتے تو ہم ان کے حکم سے عدول نہ کرتے تو حضرت نے فرمایا،
 ”کیا میں رسول اللہ کی نفس اقدس کو بغیر تجہیز ان
 کے گھر میں چھوڑ دیتا اور لوگوں کے پاس جا کر آپ کی
 سلطنت لینے کے لیے بڑھنے لگتا؟“
 حضرت کو خلافت ملنا اس وقت ممکن تھا جب رسالتِ مآب کو
 ہی حالت میں چھوڑ دیتے (معاذ اللہ) آپ سے ایسا فعل کیوں
 سرزد ہو سکتا تھا، آپ کی شان والا شان اس سے برتر تھی کہ آپ
 رسول تھے نہ چھوڑ کر رسول ہی کی چھوڑی ہوئی میراث اور
 ان کی سلطنت حاصل کرنے کے لیے نزاع کرنے چلے جاتے۔
 (۲) وہ اختلاف جو اوس و غیرہ ج میں راسخ تھا چنانچہ اوس نے
 بکر کی بیعت صرف سعد کی عداوت کی بنا پر کی جیسا کہ قبیلہ اوس
 میں ایک دوسرے سے کہتا تھا۔

”خدا کی قسم اگر ایک دفعہ بھی خیرِ جِ خلافت لے کر
تم پر حاکم ہو گئے تو ہمیشہ کے لیے ان کو تم پر فضیلت حاصل
ہو جائے گی اور وہ کبھی بھی تم کو خلافت کا کوئی حصہ نہ
نصیب ہونے دیں گے۔“

ان دو قبیلوں اور دیگر امور نے ابوبکر کو (حالانکہ وہ قبیلہ یتیم
سے تھے) اس بات پر قادر کر دیا کہ وہ خلافت کے نرم نرم گدوں
پر متمکن ہوں اور عرب کو اپنے ڈنڈے سے ہنکائیں خدا شوقی یک
مرحوم شاعر مصر کا بھلا کرے موصوف نے اپنی ایک نظم میں ابوبکر
کی شان میں کیا خوب کہا ہے۔

”سبحان من یعمر کیف یشاء ساسا لوری من کادے یوحیٰ لشاء
”سبحان اللہ خدا جس طرح چاہے انعام کرے دیکھو چہرہ اسے نے نہا
پر حکومت کی۔“

ان اختلافات کی وجہ سے امت رسالتیاب کے بہت سے
فرقے ہو گئے جس میں ہر ایک فرقہ دوسرے کو فاسق و کافر
بناتا ہے۔

مسلمانوں کے بڑے فرقے

مسلمانوں کے بڑے فرقے چار ہیں شیعوہ، خوارج، مرجئہ معتزلہ
اس کے علاوہ جو اور فرقے رہ جاتے ہیں وہ سب انھیں سے نکلے

ہیں یہ فرقے بمنزلہ اصل ہیں اور باقی سب فروع ہیں ہم اس وقت ان کے متعلق ایک اجمالی بحث کرنا چاہتے ہیں اگر کوئی ان کے فروع کو معلوم کرنا چاہے تو اسے کتاب نلل و نخل شہرستانی مطالعہ کرنا چاہیے وہ اس مطلب کے لیے کافی ہے۔

(۱) شیوہ۔ اس فرقے کے متعلق ناظر کو آگے چل کر تفصیل بھی ملے گی اس لیے یہاں ہم کچھ نہیں لکھنا چاہتے۔

(۲) خوارج۔ ان کا نام خوارج اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے امیر المومنین پر خروج کیا تھا اور یہ فرقہ منحلہ ان فرقوں کے ہے جو اپنے امام زمانہ پر خروج کرنے سے دین اسلام سے خارج ہو گئے ان کو واقعہ حرور کی وجہ سے حرور یہ بھی کہتے ہیں پسند صحیح مردی سے کہ رسالت آپ نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں خبر دیدی تھی کہ ایک فرقہ اسلام سے خارج ہو جائے گا تاکہ مسلمان اس کی کثرت عبادت و یادنی تسبیح کے قریب میں نہ آجائیں اور نہ ان کے یہ پابندی قرآن و حدیث سے دھوکا کھائیں آپ نے اس کی حالت تفصیلاً بیان کر دی تھی اور یہ بھی فرمادیا تھا کہ جو گروہ ان کو قتل کرے گا وہ حق پر ہوگا کہ مسلمانوں پر امر مخفی نہ رہے۔ اور حق و باطل مشتبہ نہ ہو جائے مسلم اپنی صحیح

۳۹۳ صحیح مسلم جزو اول مطبوع ۱۲۲۶ھ آئندہ جو کچھ بھی مسلم سے لیا جائے گا وہ اسی نسخہ سے ہوگا۔

میں یہ دیکھنے کے بعد کہ امیر المومنینؑ نے یمن سے رسالت کی خدمت میں کچھ سونا بھیجا جسے آپ نے چار شخصوں میں تقسیم کر دیا بیان کرتے ہیں:-

”حضرت کی خدمت میں ایک شخص جس کا حلیہ یہ ہے گھسی ہوئی ڈالٹھی، اونچے رخسار، دھنسی ہوئی آنکھیں، ابھری ہوئی پیشانی، منڈا ہوا سر آیا اور اس نے کہا اے محمد خدا سے وہ حضرت نے فرمایا اگر میں ہی خدا کی نافرمانی کروں گا تو پھر اس کی اطاعت کون کرے گا، خدا تو مجھے باشندگان ارض پر امین بنائے اور تم مجھے امین نہ سمجھو اس کے بعد وہ شخص چلا گیا ایک شخص نے دجسے لوگ خالد بن ولید کہتے ہیں، اس کے قتل کرنے کی اجازت چاہی اس پر حضرت نے فرمایا اس کی نسل میں ایک ایسی قوم ہوگی جو قرآن پڑھے گی لیکن وہ ان کے گلوں سے متجاوز نہ ہوگا یعنی سینہ میں اس کے مطالب و معافی نہ ہوں گے جو مسلمانوں کو قتل کرے گی اور بت پرستوں کو دعوت دے گی اسلام سے یوں خارج ہو جائے گی جس طرح نشانہ سے تیراگر میں اسے پا گیا تو اس طرح قتل کر کے ہلاک کروں گا جیسے قوم عاد و ہلام ہوئی۔ اور دوسری روایت میں یوں نقل کیا ہے ”اتبعکم رجل اسود احدی عضد، یہ مثل ثدی المرأة او مثل البضعة تدر در البحر جوت علی جان فرقة من الناس“ یعنی ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں

ایک سیاہ فام شخص ہوگا جس کا ایک بازو عورت کے پستان کی طرح
 یا مثل گوشت کے ٹکڑے کے ہوگا جس میں سے دودھ نکلتا ہوگا۔
 یہ قوم اس وقت نکلے گی جب لوگوں میں اختلاف رونما ہوگا۔ ابوسعید
 کہتے ہیں میں گواہ ہوں کہ میں نے اسے رسالت اللہ سے سنا تھا اور یہ
 بھی گواہی دیتا ہوں کہ امیر المومنین علی ابن ابیطالب نے ان سے قتال
 کیا اور میں ان کے ہمراہ رکاب تھا حضرت نے اس شخص کے ڈھونڈنے
 جانے کا حکم دیا چنانچہ وہ ملا اور خدمت امیر المومنین میں لایا گیا میں
 نے اسے دیکھا تو بعینہ ویسا ہی پایا جیسا رسالت اللہ نے بیان فرمایا
 تھا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت نے ایک قوم کا ذکر
 فرمایا جو دین سے اس وقت خارج ہوگی جب لوگوں میں اختلاف
 ہوگا۔

اور فرمایا کہ وہ قوم بدترین خلقت یا بدترین خلقت میں سے
 ہوگی اسے دو ٹول گروہوں میں سے وہ فرقہ قتل کرے گا جو حق
 سے قریب ہوگا۔ پھر حضرت نے ان کے دین سے نکل جانے کی
 مثل بیان فرمانے کے بعد ارشاد کیا اور اے اہل عراق تم ان
 قتل کرو گے۔ صحیح مسلم میں اس مضمون کی بہت سی روایتیں
 ہیں جس کا دل چاہے مراجعہ کرے۔

یہ فرقہ ابتداءً منجملہ انصار امیر المومنین تھا آپ کی امامت کا
 اہل اور اطاعت کو واجب جانتا تھا لیکن بعد میں شمر راہ ہو کر واقعہ

تحکیم کے بعد راہ حق سے بالکل ہٹ گیا۔

صفین میں جب عمرو عاص نے دیکھا کہ لشکر امیر المومنین کی فتح و ظفر کے آثار نمایاں ہیں تو اس نے قرآن مجید دنیروں پر بلند کرنے کا حکم دے دیا چونکہ اس کو شکریوں کے اخلاق کا مشاہدہ کرنے سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ قرآنی حیلہ اگر بھر پور کامیابی حاصل ہونے کا باعث نہ بھی ہو گا تو کم از کم صلح کے فتول کرنے یا نہ کرنے میں اختلاف رائے ضرور پیدا کر سکتا ہے اسی خیال سے لوگوں نے قرآن کو دنیروں پر بلند کیا اور ان میں سے ایک شخص بآواز بلند یہ کہتا ہوا بڑھا "یہ خدا کی کتاب ہمارے تمھارے درمیان ہے اہل شام کے بعد سرحد شام کی کون حفاظت کرے گا اہل عراق کے بعد سرحد عراق کے لیے کون ہو گا؟"

جو نہی اہل عراق نے یہ آواز سنی اور قرآنوں کو نیزہ پر بلند دیکھا ان کے گروہ میں ایک کہنے لگا "ہم کتاب خدا کی طرف دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ لیکن امیر المومنین سمجھ گئے کہ یہ بھی اہل شام کا ایک فریب ہے چنانچہ آپ نے بایں الفاظ عراقین کو بانہ نہ کھنچا۔

اے بندگان خدا تم اپنے حق اور سچائی پر گزرتے رہو کیونکہ معاویہ عمرو عاص ابن معیط حبیب ابن سلمہ اور ابن سرح دیندار و اصحاب قرآن نہیں ہیں میں ان کو تم سے زیادہ پہچانتا ہوں میں

ان کے ساتھ بچنے میں بھی رہا جو انی میں بھی، یہ شریعت میں اطفال اور بدترین مردم تھے تم پر واسے ہو، انھوں قرآن بلند نہیں کیا ہے اور نہ کبھی بلند کریں گے اور نہ انھیں یہ معلوم ہے کہ اس میں لکھا کیا ہے انھوں نے تم کو صرف دھوکہ فریب میں مبتلا کر کے قرآن بلند کیا ہے۔

شکر والوں نے آپ کی ہدایات کی سماعت نہ کی اور نہ آپ کی قیمتی نصیحتوں پر عمل کیا بلکہ یہ کہتے ہوئے آپ کا مقابلہ کیا کہ ہم میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ ہم کتاب خدا کی طرف بلائے جائیں اور اس کو قبول نہ کریں بلکہ بعض نے یہاں تک جرأت کر کے کہا کہ "کتاب خدا کی طرف بلائے جانے کے وقت لپک کر ہو ورنہ ہم تم کو قوم کے حوالہ کر دیں گے" یا تمھارے ساتھ بھی وہی کریں گے جو (عثمان) بن عفان کے ساتھ کیا ہم کو یہ لازم ہے کہ کتاب خدا کے موافق عمل کریں خدا کی قسم ہم ضرور ضرور ایسا ہی کریں گے۔

اب حضرت نے ایک محیط خطہ کا احساس کیا اور آپ اس وقت دو باتوں میں متردد تھے تحکیم کو قبول نہ کر کے قتل یا معاویہ والوں کی قید گوارہ کریں یا دیہ جانتے ہوئے کہ میں عنقریب فتح حاصل کر لوں گا اور مجھے تحکیم کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ میں دین پر قائم ہوں، ان کے حسب منشاء تحکیم پر راضی ہو جائیں چنانچہ

آپ نے حفاظت نفس کو مد نظر رکھتے ہوئے بہ مجبوری تحکیم کو قبول کر لیا جس کے برے نتائج ظاہر ہوئے، ابو موسیٰ اشعری نے دجس کے حکم بنانے پر حضرت راضی نہ تھے اور اُس کی حالت کو قبل از تحکیم واضح کر دیا تھا، وفانہ کی اور خوارج بھی تحکیم سے برگشتہ ہو گئے اور کہنے لگے ہم سب کافر ہو گئے تھے اور بار بار یہ کلمہ دہرانا شروع کیا "حکم اکالہ اللہ حکم تو صرف خدا ہی کے لیے ہے" امیر المومنینؑ اس کلمہ کی بابت فرمایا کرتے تھے "کلمہ حق یوادبھا الباطل" یعنی کلمہ تو حق ہے لیکن اس سے مراد باطل ہے جب خوارج نے حضرت سے دریافت کیا کہ لوگوں کو مسلمانوں کے خون کے بارہ میں حکم بنانا مطابق عدل ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔

"ہم نے لوگوں کو حکم نہیں بنایا ہے بلکہ قرآن کو حکم قرار دیا ہے جو دفتیوں کے درمیان لکھا ہوا ہے اور جو خود اپنی زبان سے نہیں بولتا لوگ اس کی ترجمانی کرتے ہیں۔"

اس کے بعد انھوں نے کہا کہ آپ نے اپنے اور معاویہؓ کے درمیان تحکیم کے لیے ایک مدت کیوں قرار دی تو آپ نے فرمایا۔

"اس لیے کہ جاہل علم حاصل کر لے اور عالم کا علم

پختہ ہو جائے اور شاید خدا اس عارضی صلح میں اس امت کی اصلاح کر دے۔

مجھے خیال نہیں کہ مطالعہ کرنے والا مجھ سے وقتاً بہ سوال بیٹھے گا کہ جب قرآن مجمل ہے اور ہر فریق کو یہ ممکن ہے کہ آیت کی تفسیر اپنے مذہب کے مطابق کر لے تو لوگوں کو حکم بنانے اور ان کے قرآن کی تفسیر کرنے میں کیا فائدہ تھا اس لیے کہ قرآن میں کسی ایک (معاویہ یا امیر المومنین) کے نام کی تصریح تو ہے نہیں جو اختلاف کو قطع کر دے اور ایک فیصلہ کن حکم ہو جائے جس سے حقائق بالکل واضح ہو جائیں کہ دشمن کو سوا قبول کرنے اور اس کے حکم پر راضی ہو جانے کے اور چارہ ہی نہ ہو؟

بے شک مجھے گمان نہیں کہ مطالعہ کرنے والا یہ سوال کرے گا اس لیے کہ جب فریقین قرآن کی طرف رجوع کر کے آیہ عذیرہ، آیہ مباہلہ، آیہ تطہیر، آیہ مودت، آیہ ابرار اور بہت سے ان آیات کو پڑھیں گے جن میں فضل اہلبیت بیان ہوا ہے تو ان پر حق بالکل واضح و ظاہر ہو جائے گا اور بے شک و شبہ اچھی طرح جان لیں گے کہ امیر المومنین علیؑ ہی خلیفہ مسلمین اور نائب رسول ہیں اور انھیں معلوم ہو جائے گا کہ جو ذات بہ نص قرآن مجید فس رسول سے وہ حتماً خدا کے اس شہر منصب کی حقدار ہے اور اس عہدہ کو معاویہ سپر ہندہ جگر خوارہ سے کوئی نسبت نہیں۔

نایب الشریاء و این الشری نایب الشریاء و این مساویہ من علیٰ
 کہاں تحت الشری اور کہاں شریاء مساویہ کو علیٰ سے کیا نسبت
 خوارج کا اعتقاد ہے کہ امیر المؤمنینؑ حکیم پر راضی ہونے سے معاذ اللہ
 کافر ہو گئے، اس لیے کہ حکم صرف خدا ہی کے لیے ہے سابقاً ناظر کو اس شبہ کے
 جواب سے معلوم ہو چکا کہ یہ لوگوں کو حکم بنانا نہیں ہے کیونکہ وہ خود یہ حکم نہیں کر سکتے
 کہ مساویہ و امیر المؤمنینؑ دونوں امام ہیں یا نہیں بلکہ یہ امر قرآن کی طرف راجع ہوگا
 جو فیصلہ کن حکم ہے لوگوں سے صرف اتنا مطلوب تھا کہ وہ قرآن مجید میں
 جو اوصاف مذکور ہیں ان کی تطبیق کرنے میں حکم بنیں کہ ان میں
 سے صحیح طور پر کس پر منطبق ہوتے ہیں اور بیشک یہ لوگوں ہی کا کام ہے
 جیسا کہ حضرت فرما چکے ہیں کہ "قرآن خود نہیں بولتا لوگ اس کی طرف سے
 بولتے ہیں" اس واقعہ کی مثال ملنا بھی دشوار نہیں ہے چنانچہ
 قاضی کے پاس اگر چور کا مقدمہ پیش ہوتا ہے تو مقصود یہ نہیں ہوتا
 کہ وہ یہ حکم کرے کہ چور کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں یا نہیں بلکہ مراد یہ
 ہوتی کہ وہ اس امر کے سمجھنے میں کوشش کرے کہ آیا یہ چور ہے یا
 نہیں اور وہ ان قواعد معینہ قسم و شہادت عدل وغیرہ ان امور میں غور
 کرے جس سے دعویٰ کا ثبوت ممکن ہو اور جب اس کی چوری ثابت
 ہو جائے تو جو حکم شارع نے چور کے لیے مبین کیا ہے وہ اس
 پر جاری کرے۔

خوارج حضرت کے مسئلہ حکیم پر راضی ہو جانے سے یہ سمجھے کہ

آپ کو اپنی امامت میں خود شک تھا اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ
 حضرت کو طلب خلافت کے لیے لڑنا ناجائز تھا، کیونکہ شک کرنے
 والے کو اس امر کی طلب میں جو خود اس کے نزدیک مشکوک ہو انسانوں
 کا خون نہ بہانا چاہیے، حالانکہ یہ شبہ بھی مثل گذشتہ شبہ کے باطل ہے
 اس لیے کہ ہر زمانہ میں یہ ہوا اور اب بھی یہ ہوتا ہے کہ دو فریق قاضی
 کے یہاں مرافعہ کرتے ہیں باوجودیکہ ایک کو لامحالہ اپنی حقیقت کا
 یقین ہوتا ہے لیکن پھر بھی وہ یہ دیکھ کر کہ اس کے حق کا ملنا صرف اسی
 صورت میں منحصر ہے مرافعہ پر راضی ہو کر محاکمہ کے لیے قاضی کے
 پاس جاتا ہے لہذا حکیم پر راضی ہو جانے سے یہ نہ ثابت ہوا کہ امیر
 المؤمنین اپنی امامت میں شک کرتے تھے، جبکہ قرآن مجید باواز بلند اس قسم کی تحکیم کو جائز قرار دے کر
 زن و شوہر کے معاملہ میں یوں کہتا ہے۔
 ان خضم شقاق بنحصا
 ابغشو حکما من اہلہ
 حکما من اہلہا
 اگر تم ان دونوں (زن و شوہر) میں اختلاف کو ڈرو تو ایک حکم اس
 کے شوہر کے اہل میں سے بھیجو اور ایک
 حکم عورت کے اہل میں سے
 اور کفارہ جزاء الصید کے بارہ میں اس طرح کہتا ہے "حکم بہ ذوالعدل
 حکم تم میں سے دو عادل اس کا حکم کریں گے" ہم کو جواز تحکیم پر
 دلالتی بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خوارج نے

اپنے مذہب کی بنیاد چننا ایسے واضح البطلان مقدمات پر رکھی جن کا فساد بہت جلد معلوم ہو سکتا ہے۔

(۳) مرحلہ۔ یہ لفظ ارجاء بمعنی آخر سے مانجود ہے بحث کرنے والوں نے اس کی وجہ تسمیہ میں مختلف وجوہ بیان کئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں چونکہ یہ فرقہ اصحاب امیر المومنین و اصحاب معاویہ کا معاملہ قیامت مؤخر کر کے خدا کے سپرد کرتا ہے کہ وہ بروز قیامت خود ان کا فیصلہ فرمائے گا اس لئے مرجعہ کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ لفظ ارجاء (امید دلانا) سے ماخوذ ہے چونکہ اس فرقہ کا اعتقاد ہے کہ ایمان کے ہوتے معصیت مضر نہیں جس طرح کفر کے ساتھ کوئی طاعت مفید نہیں (لہذا یہ غفران کی امید دلاتا ہے) اس کے علاوہ اور بہت سے احتمالات بیان کئے جاتے ہیں جن میں اول الذکر احتمال اظہر ہے۔ اس فرقہ نے ایمان کے بارے میں بہت غلو سے کام لیا ہے چنانچہ اس کا عقیدہ ہے کہ مسلم حتماً داخل جنت ہوگا چاہے جتنی بھی معصیت کرے کیونکہ اس کے خیال میں دخول جنت عمل طاعت کے صلہ میں نہیں ہے بلکہ صرف محبت خدا اور اخلاص کی جزا ہے۔ مزید برآں ایمان میں زبان سے اقرار کو مشروط نہیں جانتا بلکہ صرف اعتقاد قلبی کافی سمجھتا ہے اسی عقیدہ نے ان یہ کہنے پر مجبور کیا کہ جو شخص زبان سے اسلام کفر کرے تہ پرستی کرے، یہودیت اختیار کرے، نصرانی ہو کر صلیب کی پرستش کرے یا اسلام میں تشلیث کے فاسد عقیدہ کو پھیلائے اور اسی حالت میں مر جائے جب بھی وہ مسلمان بلکہ مومن کامل الایمان، ولی اللہ، اور اہل جنت میں سے ہے۔ (دیکھو ابن حزم جلد چہارم ص ۲۰۴)

معتزلہ۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ مومن و کافر دونوں سے جداگانہ ہے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ چونکہ اس فرقہ نے مجلس حسن بصری سے کنارہ کشی کی تھی اس لئے معتزلہ کہتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس جماعت میں اور حسن بصری میں مرتکب کبیرہ کے بارے میں اختلاف ہوا، آخر الذکر نے کہا کہ وہ مومن تو ضرور ہے لیکن چونکہ مرتکب کبائر ہے اس لئے فاسق ہے، اس جماعت نے کہا نہ تو وہ مومن ہے جیسا کہ حسن بصری کا ادعا ہے اور نہ کافر ہے جیسا کہ خوارج کا خیال ہے بلکہ ان دونوں میں ایک درمیانی درجہ رکھتا ہے، جس کے بعد حسن بصری نے واصل بن عطاء رئیس معتزلہ کو اپنی محفل سے نکال دیا جس کی وجہ سے یہ جماعت حسن بصری سے کنارہ کش ہو گئی اور اسکو معتزلہ کہا جانے لگا۔ اس فرقہ کو اہل عدل و توحید بھی کہتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خدا کو اشاعرہ کے اعتقاد سے منزہ خیال کرتے ہیں اور مثل ان کے اس کے قائل نہیں کہ خدا ہی بندوں سے گناہ صادر کرانے کا باعث ہوا اور پھر ان پر عذاب کرے گا نیز صفات زائدہ کی نفی کرتے ہیں کیونکہ یہ توحید کے منافی ہے ان مسائل میں بعینہ یہی عقیدہ شیعوں کا ہے معتزلہ بھی ان کی موافقت کرتے ہیں۔

اشاعرہ میں معتزلہ کے مخالفین صرف اس وجہ سے ان کو قدریہ کہتے ہیں کہ ان پر اپنے یہاں کی ایک حدیث صحیح (القدریۃ مجوس ہذا کالمنۃ) قدریہ اس امر کے مجوس ہیں، "کو منطبق کر دیں حالانکہ انصاف یہ ہے کہ یہ حدیث برض صحت اشاعرہ ہی پر صادق آتی ہے کیونکہ یہ کہتے ہیں کہ قدریہ تمام اعمال انسان خیر و شر میں حاکم ہے لفظ قدریہ سے متبادریہ ہوتا ہے لیکن باوجود اس

تبادر کے بھی اشاعرہ نے یہ لقب معتزلہ کا قرار دے ہی دیا یہاں تک کہ یہ لفظ معتزلہ کے لئے دیگر فرق سے ذریعہ امتیاز بن گیا۔

مسئلہ نفی صفات زائدہ، اور حسن و قبح عقلی، میں معتزلہ اور شیعہ ہم خیال تھے۔ اشاعرہ صفات زائدہ اور حسن و قبح شرعی کے قائل ہیں، اسی طرح اکثر نظریات میں معتزلہ اور شیعہ متفق ہیں جس کی وجہ سے اکثر بحث کر نیوالے ایک فرقہ کے افراد کو دوسرے میں اشتباہاً داخل کر دیتے ہیں اسی طرح کی غلطی احمد امین نے اپنی کتاب فجر الاسلام میں کی ہے اور علامہ ابن ابی اسحاق محدث معتزلی کو شیعوں میں شمار کیا ہے گویا احمد امین کے نزدیک لفظ سنی کا مستحق صرف وہی ہو سکتا ہے جو اہلبیت کی علو کا اعلان کرے (ناصبی ہو) اور امیر المومنین پر رانت پیتا ہو، اور اس سے کم درجہ کا شخص (مثل ابن ابی اسحاق) اس کے نزدیک شیعہ ہے۔

مذہب معتزلہ اور شیعہ میں بہت فرق ہے جو ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرتے ہیں، شیعہ کہتے ہیں کہ امیر المومنین بہ نص رسول خلیفہ ہیں معتزلہ نص کا انکار کرتے ہیں، شیعہ ابوبکر، عمر، عثمان کی خلافت کے قائل نہیں معتزلہ ان کو بھی خلیفہ سمجھتے ہیں اور امیر المومنین کو چوتھا خلیفہ خیال کرتے ہیں، شیعہ بارہ اماموں کے قائل ہیں اور معتزلہ اس کا اعتقاد نہیں رکھتے وغیرہ ذالک۔

یہ چند امور میں نے اس لئے ذکر کئے جس سے ناظر کو یہ معلوم ہو جائے کہ امت اسلام اپنے زعمیم اکبر و مرشد اعظم کی وفات کے بعد مہملت اور بے سر و سامانی کے کس درجہ پر پہنچ گئی اور حق یہ ہے کہ پہلی تین خلافتیں مسلمانوں کی ابدی افتراق، دی لفاق، اور قلبی لفرق کا باعث ہوئیں۔

مسلمانوں کے افتراق سبب اساسی

علامہ محمد بن عبدالحکیم
شہرستانی صاحب الملک

نے جب مسلمانوں کے اختلاف کے اسباب کو گونا گونا مشرور کیا ہے تو منجملہ ان کے واقعہ
دوات و قرطاس میں حضرت امیرؓ کے رسالتنامہ سے معارضہ کرنے کو بھی ذکر کیا ہے
اور شاید یہی معارضہ مسلمانوں کے اختلاف کا سبب اساسی اور سنگ بنیاد کہا جاسکے
بخاری نے اس قصہ کو یوں ذکر کیا ہے ۔

جب رسالتنامہ کا وقت انتقال قریب ہوا تو اس وقت آپ کے بیت الشرف میں
کچھ لوگ تھے جن میں عمر بن الخطاب بھی تھے، رسالتنامہ نے فرمایا لاؤ میں
متہیں ایک وصیت نامہ لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا نبی پر
ور و غالب ہے اور ہم لوگوں کے پاس قرآن موجود ہے بس ہمیں کتاب خدا کافی ہے
اور کسی تحریر کی ضرورت نہیں، الہیت نے اس رائے سے اختلاف کیا، لوگوں میں
جھگڑا ہونے لگا کچھ تو کہتے تھے کاغذ لاؤ تاکہ رسالتنامہ ایسا وصیت نامہ لکھ دیں
جس سے تم گمراہ نہ ہو، کچھ کہتے تھے نہیں تم ٹھیک کہتے ہیں جب ہر گاہ رسالت میں
خواہ اختلاف بہت ہونے لگا اس وقت آپؐ نے فرمایا ”اٹھ جاؤ، عبید اللہ کہتے
ہیں کہ ابن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ اختلاف و نزاع کی وجہ سے رسالتنامہ کو وصیت
نہ لکھ دینا بہت بڑی مصیبت تھی“ (جلد سوم ص ۱۳۲ بخاری نیز جلد چہارم ص ۵۵ طبع
مکتبہ المدینہ ص ۱۳۲ صحیح مسلم جلد دوم ص ۱۳۲ مسند احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۵۵
مل و نخل ص ۱۲ تاسیخ ابن خلدون جلد دوم ص ۱۳۲ ابوالفداء جلد اول ص ۱۵۹ شرح ابن ابی اکبر
عقزی جلد دوم ص ۲۱ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اس کے علاوہ بکثرت مثلین و

مورخین نے اسکو تحریر کیا ہے ۔

رسالتِ نبویؐ ایسی تحریر لکھنے کے درپے تھے جس کے بعد مسلمان گمراہ نہ ہوں
لیکن عمرؓ نے آپؐ کو اس مقصد سے باز رکھا ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں
کہ وہ امر کیا تھا جو رسالتِ نبویؐ کو گمراہی سے بچانے کے لئے تحریر کرنا چاہتے
تھے ؟ عمرؓ کے منع کرنے اور دوات و کاغذ نہ پہنچنے کے لئے اہتمام کرنے
میں کیا راز تھا ؟ کس بات نے عمرؓ کو یہ کہنے پر آمادہ کیا کہ ان پر درد غالب
ہے یا معاذ اللہ نہ یہاں بکرا رہے ہیں (باختلاف روایات) یہاں تک کہ رحمۃ اللعالمین
نے غضبناک ہو کر فرمایا اٹھ جاؤ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس
کی طرف تم مجھے دعوت دیتے ہو ؟ یہ چند ایسے سادہ سوالات ہیں جس کا جواب
ہر وہ شخص دے سکتا ہے جس کو تاریخ اسلام سے ادنیٰ لگاؤ بھی ہے ۔

بے شک تم نے دیکھا یا سنا ہوگا کہ ختمی مرتبت نے بروز غدیر کچھ ایسے کلمات
ارشاد فرمائے تھے جو کلمات علیؓ ابن ابی طالبؓ پر عراحتہ دلالت کرتے ہیں بروز غدیر
اس روز سے زیادہ دور نہیں تھا جس دن آپؐ نے دوات و کاغذ طلب فرمایا تھا، تم
بن عباسؓ کو یہ بھی بیان کرتے سنا ہوگا کہ رسولؐ خدا نے علیؓ کو وصایت کے لئے
طلب فرمایا تھا اور عمرؓ ابوبکرؓ کو واپس کر لیا تھا جبکہ عائشہؓ و حفصہؓ نے
ان کو بلا لیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ تم دونوں واپس جاؤ اگر مجھے ضرورت ہوگی تو
تم کو خود بلوالوں گا، اگر تمہیں یہ باتیں معلوم ہیں تو سوالات مذکورہ کا جواب بھی
معلوم ہو گیا ہوگا، اور نبی کریمؐ کی وہ عمرؓ بھی معلوم ہو گئی ہوگی جو آپؐ کو وصیت
لکھنے پر آمادہ کر رہی تھی اور یہ بھی اچھی طرح واضح ہو گیا ہوگا کہ آپؐ جس امر کو

تحریر فرمانا چاہتے تھے وہ بعینہ وہی تھا جسے روز غدیر طے کیا تھا یعنی میں خلافت امیر المومنین
 ناکہ خدا کی حجت لوگوں پر نام ہو جائے۔ روز غدیر تمام مسلمان اس سے آگاہ نہ ہوئے
 تھے صرف حاضرین ہی باخبر تھے اسی لئے آپ نے اس امر کو مستحکم اور پائدار فرمانے
 کے لئے تحریر کرنا چاہا تھا تاکہ حاضر و غائب بعید و قریب ہر ایک کو معلوم ہو جائے
 اگر وہ نوشتہ وصایت علی ابن ابی طالب کے متعلق نہ ہوتا تو عمر بھی ایسا شہید ہوتا
 نہ کرتے مجھے خیال نہیں کہ اگر عمر کو یہ معلوم ہوتا کہ نوشتہ ان کے ضرر شخصی اور عداوت
 کے ہاتھ سے نکل جانے کا باعث ہوگا جب بھی رسالتماص کو ایسی تحریر لکھنے سے
 باز رکھتے جو مسلمانوں کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔

اس مقام تک پہنچ کر شاید ہمارا مقابل یہ سوال کرے کہ اگر رسول اللہ واقعاً
 علیؑ کے لئے وصیت کرنا چاہتے تھے تو عمر کے اعتراض کو نہ سنا ہوتا۔ اور اپنے
 راہ پر قائم رہ کر جو دل چاہا تھا وصیت کرتے، ابو بکر نجی نہ تھے لیکن وہ اپنی
 وفات کے قبل عمر کے لئے وصیت کر کے؟ اس کا جواب ہمارے خاں محترم سے
 اپنی کتاب لا الفصول المهمہ فی تالیف الامم، کیا خوب دیا ہے، فرماتے ہیں ہاں
 رسالتماص تحریر فرمانے سے باز رہے بعض حاضرین نے اس وقت جو کلمہ کہا تھا ان
 نے تحریر سے باز رکھا۔ اس کے بعد کوئی اثر تحریر کا باقی نہ رہتا، لوگوں میں اشتباہ
 ہوتا کوئی کہنا دماغ داشتہ تحریر میں نہ دیاں ہے، کوئی کہتا ایسا نہیں ہے جیسا کہ اس
 سر میں اختلاف ہو کر رسالتماص کے سامنے شور و غوغا مچا ہوا تھا، آپ کو وصیت
 بن پڑا کہ ان کو اپنی بارگاہ سے نکال دیں اور فرمایا کہ "نکل جاؤ" اگر آپ وصیت
 لکھنے پر اصرار کر کے تحریر فرمادیتے تو لوگ اپنے قول پر اور زیادہ اصرار کرتے اور

جب امیر المومنین یا ان کے شیعوں کا گروہ اس سے استدلال کرتا تو سب مل کر ان کی رد کرنے کے لئے رسول اللہؐ کا ہریان ثابت کرنے کی پرزور کوشش کرتے چنانچہ حکمت بالغہ کا یہی مقصد قنی ہوا کہ آپ اس تحریر سے اعراض کریں تاکہ لوگ آپ کی نبوت میں طعن کا دروازہ نہ کھول دیں آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ امیر المومنین کے دوست آپ کی خلافت کے قائل ہیں اور پیگے چاہے کچھ لکھا جائے یا نہ لکھا جائے اور اختیار کبھی نہ مانیں گے چاہے لکھ ہی کیوں نہ دیا جائے موقع اور مصالحت نے یہی چاہا کہ آپ نہ تحریر فرمائیں کیونکہ عمر کے معارضہ کے بعد اس کا اثر سوائے فتنہ و فساد کے اور کچھ نہ ہوتا۔

افسوس یہ بھی ہونے والا تھا کہ اس امت میں بھوٹا پڑے اور اس کے متغیر فرقے اور جمعیں ایک دوسرے کو فاسق بنائے اور ہر ایک دوسرے کو معالیم دین کو ٹھانے کی کوشش کرے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

مذہب اسلام پر ایک تخلیقی نظر

امت موسیٰ کے ان کے نبی کے بعد
۱۔ فرقے ہو گئے جس سے ایک
فرقہ ناجی اور باقی ناری ہیں،
اسی طرح امت عیسیٰ کے اپنے نبی کے
بعد ۷۲ فرقے ہوئے اس میں بھی،
ایک ناجی اور سب ناری ہیں۔
میرے بعد میری امت کے ۷۲ فرقے
ہوں گے جس میں صرف ایک فرقہ نجات
پائے گا اور باقی سب داخل ناریوں
کے۔

رسالتناہ سے منقول ہے۔
فترقت امة موسیٰ بعد نبیہا
على احدى وسبعین فرقة
واحدة منها ناجية والباقيون
في النار وافتترقت امة عیسیٰ
بعد نبیہا على اثنين وسبعین
فرقة واحدة منها ناجية والباقيون
في النار وستة ترق امتی بوی
لی ثلاث وسبعین فرقة
واحدة منها ناجية والباقيون

في النار۔

حدیث مذکورہ منجملہ احادیث متضامہ ہے تمام امت اسلامیہ اس کی
حجت پر متفق ہے، انرا صرف اس میں ہے کہ یہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے۔
سلمانوں کا ہر فرقہ اس کا ادعا کرتے ہوئے نظر آتا ہے کہ رسالتناہ نے جس فرقہ
ناجی فرمایا ہے وہ ہمارے فرقہ کے سوا اور کوئی دوسرا فرقہ نہیں ہو سکتا۔
ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اس حدیث کے متعلق بحث کرتے ہوئے اسلام کے

تمام فرقوں پر سرسری نظر کریں اس کے بعد دیکھیں کہ بحث و تدقیق ہم کو کسے
نتیجہ پر پہنچاتی ہے اگر اس سیاست میں ہم کو راہ رشاد مل گئی اور نور حق روشن
نظر آیا تو ہم حق کو حاصل کر کے کایا پائیں گے۔ یہ خیال کرنا بعید از عقل ہے کہ بحث
کرنے والا باوجود تبلیغ کوشش کے بھی ناکام واپس ہوگا۔

ہم کو احادیث نبویہ کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک دوسری
حدیث سے جو علماء فریقین کے یہاں مجمع علیہ ہے (خرقہ نایب کو بصراحت معین فرمایا
ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

اسما مثل اہل بیت فی کلمہ کتل مسقیۃ
نوح من د کب نیر یا نجی و من
تخلف عنہا غرق
(صواعق محرقة ص ۹۳ م)

میرے اہل بیت کی مثال تو تم میں
کشتی نوح کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا
اس نے نجات پائی اور جس نے اس
سے اعراض کیا وہ ڈوب گیا۔

رسالتا میں نے اس حدیث میں دامن اہل بیت سے متمسک ہونے والوں
کو اور ان کی جبل کو مضبوط پکڑنے والوں کو مشردہ نجات مرحمت فرمایا ہے۔ اس
امر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ دامن عصمت اہل بیت سے
متمسک ہو کر سفینہ آل محمد میں پناہ لینے والے شیعہ اور صرف شیعہ ہیں۔ کیونکہ
شیعوں ہی نے اہل بیت کا ہر قول میں ساتھ دیا اور ہر فعل میں پیروی کی، اصول
فروع، اخلاق، تفسیر اور دین و دنیا کا ہر وہ امر جس کے وہ محتاج ہوئے اہلبیت
سے اخذ کیا وہ اہل بیت کے دوستوں کو دوست اور ان کے دشمنوں کو دشمن رکھتے
ہیں یہاں تک کہ عالم میں صرف وہی شیعہ اہلبیت کے ممتاز لقب پر کاربہ جاتے ہیں۔

تعب خیز بات ہے کہ ابن حجر مکی نے اپنی کتاب مواعظ محدثہ ص ۹۳ میں اس کی
سعی لا حاصل کی ہے کہ لقب شیعہ کو بھی غصب کر کے اسکو اپنا اور اپنے متبعین کا
لقب قرار دے لیں۔ گویا وہی لوگ اہل بیت کے حقیقی دوست ہیں کاش کوئی مجھے
بتاتا کہ اہل بیت کا قبیح اور محب وہ ہو سکتا ہے جو اصول میں اشعری اور فقہ میں مالک
شافعی، ابوحنیفہ اور احمد بن حنبل کی طرف رجوع کرتا ہو اور جو روایت میں اہل بیت
پر تو اعتماد نہ کرے اور خوارج، مرجئہ، معتزلیں پر بھروسہ کرے کیا ابن حجر اور ان
کے امثال شیعہ اہل بیت ہو سکتے ہیں؟ جن میں ابن خلدون ایسا نوش انتقاد ہو جو
اہل بیت کو (معاذ اللہ) بدعتی کا لقب دے یا ابن حزم ایسا مخلص ہو جو اہل بیت کے
علم و عمل کو نافع نہ خیال کرتا ہو (جیسا کہ انشاء اللہ اندازہ واضح ہوگا) کیا یہ لوگ شیعہ
اہل بیت کہے جاسکتے ہیں؟ سبحانک اللہ من هذا الاکابر! اس عظیم
مذہب اہل بیت صرف مذہب شیعہ ہے اور جو بمقادیر دشمنین نجات دائمی کا حق
ہے۔

عقائد اہل تسنن
ہم ناظرین کو چندا لیے مسائل سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں
جو تعلیم اسلام کے بالکل خلاف ہیں جن کو وہ مسلم الی
کی کتابوں اور احادیث و عقائد میں پھیلا پائیں گے اور جن سے بخوبی اس کا
اندازہ ہو جائے گا کہ ایسے خیالات ناسدہ رکھنے والے لوگ نجات سے کس قدر
دور اور حدیث انشراقی سے جس فرقہ ناجیہ کا ذکر ہے اس سے کتنے بے تعلق ہیں
مسئلہ تجسیم و رویت منجملہ ان کے مسائل عجیبہ کے جن کے یہ نظرات ناقص
ہیں تجسیم خدا ہے، صحاح ستہ اس قسم کی احادیث سے بھر چکی ہیں جن سے

یہ عقیدہ فاسدہ ظاہر ہوتا ہے ۔

۱۱) ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے زمانہ رسولؐ میں آپ سے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا ہم قیامت کے دن اپنے خدا کو دیکھیں گے آپ نے فرمایا ہاں، کیا دوپہر کے وقت جب مطلع صاف ہو اور ابر نہ ہو یا چاندنی رات میں جب ابر نہ ہو سورج یا چاند کے دیکھنے میں تمہاری بینائی پر اثر ہوتا ہے سب نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا قیامت کے دن خدا کو بھی اسی طرح سے دیکھو گے جس طرح چاند یا سورج کو دیکھتے ہو پھر آپ نے ان امتوں کا ذکر کیا جنہوں نے عبادت خدا میں شرک کیا تھا اور ان کے آتش جہنم میں داخل ہونے کو بیان فرمایا، پھر ارشاد کیا کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے گا جس نے خدا کی عبادت کی ہو یا نیک ہو یا بد مگر خدا اس کے پاس آئے گا۔

اس کے بعد کہے گا انتظار کا ہیکہ ہے ہر امت جس کی عبادت کرتی تھی اس کا اتباع کرے سب کہیں گے خدا یا ہم نے لوگوں کو دنیا میں ایسے وقت چھوڑا جب ہم ان کے بہت زیادہ محتاج تھے اور ہم ان کے ساتھ نہ رہے خدا کہے گا میں تم سب کا پروردگار ہوں سب دو یا تین مرتبہ کہیں گے معاذ اللہ ہم خدا کا کسی چیز کو شریک قرار دیتے یہاں تک کہ بعض

اس وقت خدا کہے گا تمہارے اور خدا کے درمیان کوئی نشانی (پہچان) ہے جس سے تم اس کو پہچان لو وہ کہیں گے ہاں ہے تو خدا اپنی پنڈلی کھول دے گا اور ہر ایسے شخص کو سجدہ کی اجازت دے دیگا جو جی سے خدا کو سجدہ کرتا تھا اور جوڑے یا لوگوں کو دکھاوے کے لئے سجدہ کیا کرتا تھا اس کی پشت ایک تختہ

کی طرح کر دے گا جب وہ سجدہ کے لئے جھکنے کا ارادہ کرے گا پت گر پڑے گا پھر سب اپنے سر اٹھائیں گے اور اس صورت میں اچکا ہوگا جس میں پہلی مرتبہ انھوں نے اس کو دیکھا ہوا تھا اور کہے گا میں تم سب کا پروردگار ہوں وہ کہیں گے (ہاں) تو ہمارا پروردگار ہے۔

حدیث مذکور میں بہت طویل ہے جس کا دل چاہے مسلم میں مطالعہ کرے (صحیح مسلم جلد اول ص ۸۷)

(۷) انس نے رسالت مبارک سے روایت کی ہے کہ جہنم میں برابر لوگ ڈالے جائیں گے اور وہ کہتا رہے گا "کچھ اور زیادہ" یہاں تک کہ رب العزت اپنا پیر جہنم میں ڈال دے گا جس سے جہنم برابر ہو جائے گا (بھر جائے گا) اور کہے گا بس بس تیری عزت کی قسم "اسی طرح جنت میں بھی خالی جگہ رہے گا یہاں تک کہ خدا کچھ لوگوں کو خلق کر کے جنت کے خالی مقامات میں بسائیگا

(صحیح مسلم جلد دوم ص ۸۲)

(۸) ابو ہریرہ رسالت مبارک سے روایت کرتے ہیں، لیکن آگ تو اس کا پیٹ ہی نہ بھرے گا، خدا اپنا پیر اس پر رکھ دے گا تو وہ کہے گی بس، بس اور وہ سیر ہو جائے گی اور اس کا ایک حصہ دوسرے سے مل جائے گا۔

(۹) ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسالت مبارک نے فرمایا جب ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو خدا آسمان دنیا پر اترتا ہے اور درجائے آسمان کھول دئے جاتے ہیں

اور خدا اپنا ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے کیا کوئی مانگے والا ہے جسے اس کی مسند مانگی مرادوں اور طلوع فجر تک اسی حالت میں رہتا ہے : (مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۲)

۵۱، ابو ہریرہ کہتے ہیں رسالت اللہ نے فرمایا کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت میں ساٹھ ہاتھ لانا خلق کیا، اور خلق فرمانے کے بعد فرمایا جاؤ اور یہ ملائکہ کا گردہ جو بیٹھا ہوا ہے اسے سلام کرو اور جو وہ جواب دیں اسے کان لگا کر سنو یہی تمہارا اور تمہاری ذریت کا تحیہ ہے جو کوئی جنت میں داخل ہوگا وہ آدم کی صورت کا ہوگا اور برابر اس وقت تک قد لوگوں کے گفتے رہے :

(بخاری جلد چہارم صفحہ ۵۴)

احادیث مذکورہ بالا سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ تعزات تجسیم کے کس بری طرح قائل ہیں۔ خدا چاند سورج کی طرح دکھائی دے گا، آسمان دنیا پر اترتا ہے، جہنم میں اپنا بیر ڈالے گا، خدا کے علامت ہے جس سے وہ اسے پہچان لیں گے، اس کا قد ساٹھ ہاتھ کا ہے، اسی طرح اور سیکڑوں خرافات مضحکہ ہیں جو شاید بربری بڑھیا بھی اپنے مسند سے نہ لکھائیں اور نہ ان کا یقین کریں حقیقت امر یہ ہے کہ ایسی ہی ایسی احادیث نے اسلام کا نام بدنام کر کے بیروں کے لئے طعن و تشنیع کا دروازہ کھول کر ان کی جولانگاہ کو وسیع کر دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں نے ایسی بے سرو پا احادیث کو صحاح ستہ میں کیونکر درج کر دیا اور یہ کتابیں باوجود ایسی احادیث پر مشتمل ہونے کے صحاح کیونکر کہی جاتی ہیں۔

جناب عائشہ نہایت شدت کے ساتھ رویت کا انکار کرتی ہیں چنانچہ موصوفہ نے ہم کو جواب کی زحمت سے بچا کر نہایت متین و نافذ فیصلہ کر دیا ہے۔

”ابن مسروق کا بیان ہے کہ میں عائشہ کے پاس تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا ہوا تھا عائشہ نے کہا اے ابو عائشہ تین باتیں ایسی ہیں جس نے اس میں کلام کیا اس نے خدا پر بہت بڑا افترا کیا۔ میں نے کہا وہ تین باتیں کیا ہیں، عائشہ نے کہا ایک تو جو خیال کرتا ہے کہ محمدؐ نے خدا کو دیکھا تھا اس نے خدا پر بہت بڑا افترا کیا ابن مسروق کہتے ہیں میں تکیہ لگائے ہوئے تھا یہ سکر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کہا اے ائم المؤمنین ذرا مجھے مہلت دیجئے جلدی نہ کیجئے کیا خدا نے نہیں فرمایا ہے کہ ”اس کو کھلے ہوئے افق میں دیکھا“ اور اس کو دوبارہ اترنے میں دیکھا“ عائشہ نے جواب دیا اس امت میں میں ہی پہلی وہ ذات ہوں جس نے اس بارہ میں رسول اللہ سے سوال کیا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان آیات میں جبرئیل کا ذکر ہے میں نے سوا ان دو دفعہ کے جبکہ وہ آسمان سے اتر رہے تھے ان کی اصلی صورت میں جیسا کہ وہ پیدا کئے گئے ہیں نہیں دیکھا تھا، اس کے بعد عائشہ نے کہا کیا تم نے نہیں سنا خدا فرماتا ہے ”لگا میں اس کا ادراک نہیں کر سکتی اور وہ لگا ہوا کا ادراک کر لیتا ہے اور وہ لطیف و خیر ہے“ کیا تم نے نہیں سنا خدا فرماتا ہے ”کسی انسان کو یہ نہیں کہ خدا اس سے باتیں کرے مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا یہ کہ وہ رسول کو بھیجے“

مسئلہ رویت و تجسیم آیات و نصوص صریحہ سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی -
 واضح البطلان ہے کیونکہ لوازم تجسیم سے حدوث باری کا قائل ہونا ہے، ہر جسم
 حادث و ممکن ہے جو موثر کی طرف محتاج ہے لہذا واجب الوجود، واجب الوجود
 باقی نہ رہے گا، یہ عقائد اسلام کی برحق تعلیم پر منطبق نہیں ہوتے۔

برخلاف اس کے شیعوں نے خدائے بزرگ و برتر کو رویت و تجسیم کے
 عیب بالکل منسزہ قرار دیا ہے اور ان کا یہ عقیدہ مشہور و معروف ہے، امیر المؤمنین
 حضرت علی ابن ابی طالب جو شیعوں کے امام ہیں جن کے دامن عصمت سے
 متمسک ہو کر شیعہ دین الہی اختیار کئے ہیں اور جن کی گرانقدر تعلیمات پر عامل
 ہو کر تقرب الہی کے منازل طے کر رہے ہیں وہ فرماتے ہیں من وصف
 اللہ فقد حدّہ ومن حدّہ فقد عدّہ کتاب پنج البلاغہ میں بکثرت اس
 کے ارشادات پائے جاتے ہیں نیز شیعوں کی کتب عقائد میں بھی رویت
 و تجسیم کو باطل قرار دے کر مخالفین کی پرزور رد کی گئی ہے (مترجم، شیعوں کی
 طرف ان کے دشمنوں نے بھی قول تجسیم کو منسوب نہیں کیا ہاں لوگوں نے اس
 عقیدہ کو بعض غالی فرقوں کی طرف منسوب کیا ہے لیکن یہ واضح ہے کہ
 شیعہ غالیوں کے کفر کے قائل ہیں اور ان سے برأت کرتے ہیں۔

لیکن مصنف فجر الاسلام نے یک قلم تمام شیعوں کی طرف قول تجسیم کی نسبت
 دی ہے حالانکہ سوائے نصیریوں کے جو حضرت علیؑ کو خدا سمجھتے ہیں شیعوں

میں کوئی تجسیم کا قائل نہیں، نصیری شیعہ نہیں بلکہ مسلمان بھی نہیں ہیں۔
 احمد امین نے یہ بھی کہا ہے کہ مذہب جعفری، یہودیت، نصرانیت، زرد
 شغیت کا مجموعہ ہے اور یہ اس لئے کہ یہ مذاہب اور مذہب جعفری بعض نظریات
 میں ہم خیال ہیں، عنقریب ناظر «شیعوں کے عقائد کی اجمالی فہرست» کا مطالعہ
 کر کے یہ سمجھ لے گا کہ یہ بالکل جھوٹ اور افتراء ہے اور اگر لفظ محال بعض نظریات
 میں ہم خیال ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ شیعیت
 یہودیت، نصرانیت، اور مجوسیت کا مجمع ہے، احمد امین کی طرح اگر ہم چاہیں تو
 یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذاہب اہلسنت یہودیت، نصرانیت و مجوسیت کا مجموعہ ہے
 کیونکہ اہل تسنن اور یہ مذاہب درحقیقت بعض نظریات میں ہم خیال ہیں ضابطہ
 مسئلہ تجسیم و اثبات صفات ازلیہ و مسئلہ جبر و سجدہ ان مسائل کے ہیں جس کے
 اہل سنت قائل ہیں اور وہ دوسرے مذاہب میں بھی پائے جاتے ہیں۔
 قول تجسیم میں تسنن اور یہودیت ایک جادہ پر ہیں، یہود ہی وہ پہلا فتنہ ہے جس نے
 اس عقیدے کی بنا ڈالی کیونکہ انھوں نے تورات میں بہت سے ایسے الفاظ پائے
 جو اس پر دلالت کرتے ہیں (عل و نخل شہرستانی ص ۱۷۷) یہ عقیدہ اہلسنت کے
 دماغوں میں رہا یہاں تک کہ کچھ عرصہ کے بعد اسے نسخ ہو گیا اس اعتقاد کا کوئی خاص سبب
 سوا اس کے نہیں معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے قرآن میں ایسی آیات دیکھیں جن سے
 اس کا وہم ہوتا ہے مثلاً جاء بک والملک صفحاً صفراً تیرا خدا آیا اور ملک اس

بہ صفت تھے، وجوہ یومئذ ناظرہ کا اپنی رجوعاً ناظرہ چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، اسی طرح اور دیگر آیات تشابہ ہیں جن سے مایہ علمی نہ رکھنے والا شخص دھوکہ کھا جاتا ہے اور ایسی تاویل نہیں کر سکتا جو عقل کے مطابق اور عظمت و جلالت الہیہ کے مناسب ہو۔

ابو الفتح شہرستانی (ملل و نحل ص ۱۱) میں اپنے بعض سے نقل کرتے ہیں کہ وہ جب کبھی ایسی آیت کو دیکھتے جو تشبیہ میں ظاہر ہوتی ہے تو وہ اسی پر جم جاتے ہیں اور اس ڈر سے اس کی تاویل نہیں کرتے کہ کہیں آیت اما الذین فی فلو بہم ذیغ فلیتبعون ما تشاہد منہ ابتغاء الفتنة وابتغاء تأویلہ وعلیہم تاویلہ الا اللہ والمراسخون فی العلم، لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے تو وہ تشاہد کا اتباع کرتے ہیں فتنہ اور تاویل کو چاہتے ہوئے حالانکہ اس کے تاویل صرف خدا اور وہی لوگ جانتے ہیں جو علم میں رسوخ رکھتے ہیں، کا مصداق نہ ہو جائیں نیز تاویل امر منقول ہے اور صفات باری میں اتباع ظن نا جائز ہے، شہرستانی نے اس طرز کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہی طریقہ سلامت ہے (شہرستانی اور ان کے ہم خیال اسلاف آیات تشابہ میں راسخون فی العلم کا اتباع کرتے تو انھیں تاویل نہ کر کے سرحد کفر میں نہ داخل

ہونا پڑنا۔ مترجم)

لیکن تحقیق متقنی ہے کہ تاویل جائز ہے بلکہ جب آیات ایسے وجوہ میں

ظاہر ہوں کہ جو عقل کے خلاف ہے تو تاویل واجب ہو جاتی ہے۔ اگر ہم تاویل نہ جائز بھی تسلیم کریں تب بھی سوا تاویل کرنے کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا کیونکہ تاویل نہ کرنے کی صورت میں تجسیم و دیگر عقائد فاسدہ لازم آتے ہیں جو تعلیمات اسلام کے بالکل خلاف ہیں اور تاویل میں بہ فرض عدم جواز ضرر کم ہے لہذا سوا تاویل کے کوئی چارہ نہ رہے گا کیونکہ جب امر و محذورات میں دائر ہو تو شرعاً از کتاب اقل محذورات واجب ہے جیسا کہ کتب فقہیہ میں بہ تفصیل مذکور ہے۔

نصرانی اور اہل تسنن خدا کے لئے صفات ازلیہ مثل علم و حیات، ارادہ، سمع و بصر، کلام ثابت کرنے میں ہم خیال ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم اپنے عالم ہونے میں ثبوت معنی علم کا محتاج ہے اسی طرح دیگر صفات میں کہتے ہیں (اور ان صفات کو ازلی سمجھتے ہیں) انھوں نے خدا کو عالم و قادر لذاتہ نہیں مانا اور علم و قدرت کو عین ذات نہیں خیال کرتے۔ بلکہ ان کے اعتقاد کے موافق خدا ناقص و محتاج فی ذاتہ و کالغیرہ ہے (محل و محل ابو الفتح شہرستانی)

امام رازی کو اس عقیدہ کے نفاذ کی طرف ملتفت ہو کر کہنا پڑا۔

ان النصاری کفر و کاندہ

نصار کی اس لئے کافر ہو گئے کہ وہ ان

قالوا ان القدس ثلاثہ واصحابنا

قدیم ماننے ہیں اور ہمارے اصحاب

أثبتوا قدساً تسعة

نے تو نو قدیم ثابت کر دیے ہیں۔

جو میں اور اہل تسنن مسئلہ جبر میں ہم خیال ہیں چنانچہ جو میں کہتے ہیں کہ

خود خدا برا کام کرتا ہے اور پھر اس سے برائت ظاہر کرتا ہے شیطان کو خود ہی پیدا کیا اور پھر اسے راندہ درگاہ کر دیا۔ اسی طرح مجبور کہتے ہیں کہ خدا قباۃ کا لڑکا بنا کر کے اس سے برائت کرتا ہے۔

انبیاء و رسل اہلسنت کی نظر میں شیعوں کے بچہ بچہ کے ذہن میں یہ عقیدہ راسخ ہے کہ انبیاء معصوم تھے اور وہ کذب و معصیت اور تمام ان عیوب سے منزہ ہیں جو ان کی وقعت کو انظار مردم میں کم کر دیں، یا تزیہ نبوت کے مناسب نہ ہوں، عقل و اعتبار سے بھی اسی عقیدہ کی تائید ہوتی ہے۔ اگر ہم نبی کو بھی مثل امت کے جائز اسخط تسلیم کریں تو اس کے لئے کیا طرہ امتیاز رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ سریر نبوت پر متمکن ہونیکا اہل ہوا، اور اگر امت والے اس نبی سے کذب و جملہ معاصی کا سرزد ہونا جائز سمجھتے رہیں گے تو ان کے دلوں میں اس کی بات پر پورا پورا اطمینان نہیں ہو سکتا، عقیدہ عصمت مسائل و مخفیہ میں سے ہے جس پر ادلہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں لیکن (حضرات اہلسنت انبیاء و رسل کو کذاب و معصیت کار سمجھتے ہیں) صحاح ایسی روایات سے بھری پڑی ہیں جو مقام انبیاء کے قطعاً مناسب نہیں۔

۱۱۔ وصاۃ ثاب نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ جمع ہو کر کہیں گے کاش ہم اپنے دودگار کی بارگاہ میں کسی کو شفیع بنائیں کہ ہم کو اس حالت سے راحت دے یہ راہ کے حضرت آدمؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ آپ کو خدا نے

اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور آپ ہی میں اپنی روح پھونک کر ملائکہ کو سجدہ کا حکم
 دیا انھوں نے آپ کو سجدہ کیا آپ بارگاہ خدا میں ہمارے شفاعت کیجئے، وہ فرمائیں
 کہ میں اس کی اہلیت نہیں رکھتا اور اپنی خطا کا ذکر کر کے کہیں گے نوح کی خدمت
 میں جاؤ وہ پہلے رسول ہیں جنکو خدا نے مبعوث فرمایا تھا یہ سب حضرت نوح کی
 خدمت میں حاضر ہوں گے وہ فرمائیں گے میں بھی اس کا اہل نہیں اور اپنی خطا
 بیان کریں گے اور کہیں گے کہ جاؤ ابراہیم کے پاس جاؤ جن کو خدا نے اپنا خلیل بنایا
 ہے یہ سب ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے وہ فرمائیں گے میں بھی اس قابل نہیں
 اور اپنی خطا ذکر کر کے کہیں گے موسیٰ کے پاس جاؤ خدا نے ان سے کلام کیا ہے یہ
 سب ان کی خدمت میں جائیں گے وہ فرمائیں گے کہ عیسیٰ کے پاس جاؤ یہ سب انکی
 خدمت میں جائیں گے وہ نا اہلیت کا اظہار کر کے اپنی خطا بیان کر کے کہیں گے کہ
 محمد کی خدمت میں جاؤ خدا نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دئے ہیں وہ سب
 میرے پاس آئیں گے میں اجازت لیکر بارگاہ الہی میں باریاب ہوں گا اور خدا
 کو دیکھتے ہی سجدہ کروں گا خدا جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں پڑا سہنے دے گا
 پھر فرمائے گا اے محمد سر اٹھاؤ سوال کرو عطا کیا جائے گا کہو سنا جائے گا شفا
 کرو تمہاری شفاعت مقبول ہوگی میں اپنا سر اٹھا کر جس طرح خدا مجھے تعلیم کرے
 گا اس کی حمد کروں گا پھر شفاعت کروں گا خدا میرے لئے ایک حد معین کر دے گا
 میں اس کے مطابق لوگوں کو آگ سے نکال کر داخل جنت کروں گا پھر پلٹ کر سجدہ

کروں گا اسی طرح تین چار مرتبہ کروں گا یہاں تک کہ آگ میں سوا اسکے اور کوئی نہ رہے
گا جس کو قرآن نے مقید کر دیا ہو“

(بخاری جلد چہارم ص ۸۴ صحیح مسلم جلد اول ص ۹۵ تا ص ۹۸)

مسلم نے اتنا اضافہ کیا ہے

آدمؑ نے معصیت کا اقرار یوں کیا کہ انہوں نے شجرہ سے کھا لیا تھا۔ ابراہیمؑ
نے اقرار کیا کہ میں کذاب تھا اور موسیٰؑ نے کہا کہ میں نے بغیر حکم خدا ایک شخص
کو ناحق قتل کر ڈالا تھا۔

(۳) ابوہریرہؓ نے بیان کیا ہے کہ رسالتِ نبیؐ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل اس
طرح ننگے ہنایا کرتے تھے کہ ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھتا تھا حضرت
موسیٰؑ تنہا نہاتے تھے اس پر بنی اسرائیل نے کہا کہ خدا کی قسم موسیٰؑ کو ہمارے ساتھ
نہانے سے صرف اس بات نے منع کیا کہ وہ اور ہیں (ایک خفیہ فتق کی وجہ سے
بڑھ گیا ہے) ایک مرتبہ موسیٰؑ نہانے کے لئے گئے اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر
پر رکھ دئے پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگا موسیٰؑ پتھر میرے کپڑے، پتھر میرے
کپڑے کہتے ہوئے (پانی سے) نکلے بنی اسرائیل نے ان کی شرمگاہ کو دیکھ لیا
اور کہنے لگے خدا کی قسم موسیٰؑ میں کوئی عیب نہیں ہے، پتھر ٹھہر گیا موسیٰؑ نے اپنے
کپڑے اٹھا کر پتھر کو اڑنا شروع کیا، ابوہریرہؓ کہتے ہیں خدا کی قسم پتھر نوحہ کرنے
لگا موسیٰؑ نے چھریاں اسات مرتبہ پتھر کو مارا (صحیح مسلم جلد دوم ص ۳۸)

مسلم نے اس حدیث کو باب فضائل موسیٰ میں ذکر کیا ہے نہ معلوم شرمگاہ کے دیکھ لئے جانے میں کونسی فضیلت نکلتی ہے حالانکہ کشف عورت باوجود شرعاً حرام ہونیکے عقلاً بھی قبیح ہے اور ایسا فعل ہے جو پست طبقہ کی نظر میں بھی برا ہے چہ جائیکہ ایک نبی کریم کے نزدیک۔

یہ روایات بطور نمونہ از خرد ایسے ذکر کی گئیں ہیں جن سے یہ اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرات اہل سنت، انبیاء و رسل کے ساتھ کیسے اعتقادات رکھتے ہیں۔ خاتم الانبیاء سنیوں کی نظر میں۔ ذیل میں ہم ایسی روایات ذکر کرتے ہیں جن سے خاص کر حضرت خاتم الانبیاء کے متعلق اہل تسنن کے عقائد پر روشنی پڑے گی۔

۱۱، عائشہ نے کہا کہ رسالت مبارک میرے یہاں تشریف لائے اور میرے پاس دو عورتیں بیٹھی ہوئی چڑیوں کے گیت گارہی تھیں آپ فرش پر لیٹ رہے اور منہ پھیر لیا (اتنے میں اباجان) ابو بکر صدیق آئے انھوں نے مجھے جھڑکا اور کہا کہ (ہائیں) مزار شیطان رسول اللہ کے پاس، حضرت نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ان دونوں کو چھوڑ دو (کچھ نہ کہو گا نے دو) جب آپ غافل ہو گئے تو میں نے ان کو اشارہ کیا اور وہ چلی گئیں، وہ دن عید کا تھا جس میں حبشی مختلف قسم کے کھیل، کھیل رہے تھے ۵ (مسلم جلد اول ص ۳۲۷)

انصاف کرنے کی بات ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ باوجود حرام ہونیکے رسول خدا

گناہ کے لئے تشریف فرما ہوں، اور اگر عید کے دن حلال بھی فرض کر لیا جائے
 (جیسا کہ سنیوں کا ہے دلیل دعویٰ) ہے تو کیا یہ سزاوار ہے کہ گناہیوں کو آپ کے
 گھر میں آپ کے سامنے گانا گائیں، ہم اپنے کو اس فعل سے برتر سمجھتے ہیں
 چہ جائیکہ رسول خدا جن کی زبان کا سوا ذکر حق اور کانوں کا سوا سماع حق کے اور کوئی
 شغل ہی نہ تھا اگر فرض محال واقعہ کچھ اصلیت رکھتا ہے تو ابوبکرؓ کو عائشہؓ سے
 جھڑپ کر یہ کہنے کا کیا حق تھا کہ مزار شیطان رسول اللہ کے پاس۔ باوجودیکہ انکو
 یہ معلوم تھا کہ رسالت صحت کسی امر پر جب تک کہ وہ جائز نہ ہو سکوت نہیں فرما سکتے کیا
 ابوبکرؓ کا یہ اعتراض کہ اس بات کی دلیل قومی نہیں کہ انھوں نے رسول اللہؐ
 پر گناہ کرنا تک حرام ہونیکا اتہام لگایا؟ کیا ابوبکر صدیقؓ پر ان کی بیعت کے قائل
 ہونے کے بعد یہ دواہر نہ تھا کہ وہ دست بستہ رسولؐ کی خدمت میں ان کی تائید
 کرتے ہوئے رکھ جاتے؟ کیا ابوبکرؓ کے لئے یہ پسندیدہ نہ تھا کہ بغیر ایسا جملہ کہ
 ہوئے رسالت صحت سے ان کے سکوت کا سبب دریافت کرتے، عائشہؓ کا یہ کہنا
 اور بھی عجیب ہے کہ جب حضرت غافل ہو گئے تو میں نے اشارہ کیا اور وہ دونوں
 عورتیں جلی گئیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روز عید غنا کو جائز قرار دینے
 کے علاوہ رسالت صحت کا اس میں کوئی محفوظ ہو رہے تھے اور آپ کو اس حالت
 میں بے حد اضطراب حاصل تھا یہاں تک کہ عائشہؓ کو گناہ روک کر گناہیوں کو جانے
 دینے کا بھی موقع نہ ملا اور آپ غافل ہو گئے اس وقت ان سے چپکے سے کہا
 کہ اب جاؤ۔

(۲) سالم سے روایت ہے کہ انہوں نے عبد اللہ کو رسول خدا کے بارے میں بیان کرتے ہوئے سنا کہ حضرت پر وحی نازل ہونے کے قبل کا واقعہ ہے کہ آپؐ اسفل بدرہ میں زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات ہوئی رسول اللہؐ نے ان کے آگے دسترخوان بڑھایا (جس پر گوشت تھا) زید نے اس کے کھانے سے انکار کیا اور کہا کہ تم لوگ انصاب کے نام پر جو ذبیحہ کرتے ہو میں اسے نہیں کھاتا میں صرف وہی گوشت کھاتا ہوں جس پر اسم خدا ذکر کیا گیا ہو۔

(بخاری جلد سوم ص ۱۹۲ منہاج احمد جلد اول و جلد دوم ص ۱۸۹ و ۱۹۰)
اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زید رسالتِ نبویؐ سے زیادہ متقی و بہرہ منیز کار اور حلال و حرام خدا کے عارف تھے۔ (نعوذ باللہ)
(۳) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ عید کے روز ایک لشکر آیا اور اس نے مسجد میں بازی کرنا شروع کی نبیؐ نے مجھ کو بلایا میں نے اپنا سر ان کے کاندھے پر رکھ لیا اور ان کا کھیل (تماشہ) دیکھنے لگی یہاں تک کہ جب میرا دل چاہا تو کھیل دیکھ چکی رسالتِ نبویؐ نے خود سے مجھے نہ ہٹایا۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۲۲)
(۴) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اسی اثنا میں کہ حبشی رسالتِ نبویؐ کے پاس کھیل کود رہے تھے حضرت عمرؓ بن خطابؓ آئے اور انھوں نے سنکر غصے سے اٹھا اٹھا کر حبشیوں کے مارنا شروع کئے یہ دیکھ کر رسول خداؐ نے فرمایا عمرؓ انھیں چھوڑ دو (وہ سب دو مار رہے تھے) (بخاری جلد سوم ص ۱۶۵)

کیا یہ دونوں روایتیں بھی اسی کی عزت گھٹا کر ان کے رتبہ کو پست نہیں کرتیں
 کیا بھی کو یہ سزاوار ہے کہ عائشہ کو حبشیوں کا شور و غوغا سننے اور تماشا
 دیکھنے کو بلائیں؟ اور وہ بھی مسجد میں حالانکہ خداوند عالم نے امت کو یہ حکم
 دیا ہو کہ ان کی بارگاہ میں آوازیں نہ بلند کریں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ انھیں
 کتابوں میں ایسی روایتیں بھی بکثرت موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے
 کہ مسجد میں آواز بلند کرنا بھی مکروہ ہے چہ جائیکہ کھیل کود۔

۱۵۔ ابن شہاب کچھ کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن کعب بن مالک نے بیان
 کیا کہ کعب بن مالک نے ان کو خبر دی کہ میں نے ابن ابی حدرد سے رسالتجا
 کے عہد میں مسجد میں فرض کا تقاضہ کیا آوازیں اتنی بلند ہوئیں کہ رسالتجا
 نے سن لیں حالانکہ آپ بیت الشرف میں تھے اور آپ نے براہد ہو کر اپنے
 حجرہ کو کھول کر آواز دی اے کعب بن مالک میں نے عرض کیا یا رسول اللہ
 حضرت نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا کہ میں فرض کا ایک حصہ
 چھوڑ دوں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایسا کر دیا حضرت نے
 ابن ابی حدرد سے فرمایا اٹھ اور فرض ادا کر، و بخاری جلد اول ص ۱۵۶

۱۶۔ سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا ہوا تاکہ کسی شخص نے مجھے
 گناہی ماری میں نے دیکھا کہ عمر بن الخطاب تھے اور انہوں نے کہا کہ باؤ اور ان دونوں
 کو میرے پاس لے آؤ، میں ان دونوں کو لے گیا۔ پھر نے ان سے پوچھا کہ کون

یا کہاں کے رہنے والے ہو انہوں نے جواب دیا ہم اہل طائف ہیں اس لیے یہ حضرت
 عزیرؑ کی قبر میں ہے۔ تو تو میں نہیں دیکھتا کہ رسول اللہؐ کی مسجد میں آواز
 بلند کرتے ہو۔ (بخاری جلد اول صفحہ ۱۵۹)

(۷) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے ساتھاب کو فرماتے
 ہوئے سنا کہ جو کوئی شخص کسی مسجد میں پکارے یا پنا کھو یا ہوا جانور تلاءش
 کو تلاء ہوئے سنے تو کہے کہ خدا اسکو تیرے پاس واپس نہ لے لے کیونکہ مسجد کی
 بنا اس لیے نہیں ہوئی ہے۔ (مسلم جلد اول صفحہ ۱۵۹)

(۸) سلمانؓ پریدہ اپنے دوست سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے
 مسجد میں اپنا جانور ڈھونڈھا حضرت نے فرمایا تو اسے نہ پالا مسجد میں اس نے
 نہیں بنائی گئی ہے۔ (مسلم جلد اول صفحہ ۱۵۹)

کس قدر تعجب کے قابل امر ہے کہ کبھی تو ساتھاب مسجد میں آواز بلند
 ہوتے ہوئے منکر مضطر کہ بیت الشریف سے نکل آئیں اور قرصخواہ کو
 تخفیف کی ہدایت کریں تاکہ شور و غوغا کم ہو اور کبھی جانور تلاءش کو تلاء
 سے فرمائیں کہ تیرا جانور نہ ملے مساجد کی بنا اس لیے نہیں ہوئی ہے اور کبھی
 بقول اللہ (معاذ اللہ) اپنی بی بی کو لے کر جشیوں کا کھیل دیکھنے مسجد
 میں تشریف لے جائیں غور کرنیکی بات ہے کہ دوسروں کو ایسے فعل سے تو
 منع کریں جسکے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ مسجد کے ساتھ

بے ادبی ہے اور ایسے فعل کے خود مرتکب ہوں جس کے متعلق کم از کم یہ کہا جائے
کہ وہ بہود و لعب تھا نہیں! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا! آپ سے بڑھ کر اور کون
اس کا انکار کر سکتا ہے اور کون حرام و حلال کو جان سکتا ہے۔

عجب بلائے تعجب کہ ایک ابو ہریرہ دو متناقض روایتوں کی روایت
کرتے ہیں، گنجا مسجد میں حبشیوں کا کھیل کود اور گنجا مسجد میں آواز بلند
کرنے کی کراہت، لیکن درحقیقت ابو ہریرہ سے ایسی روایات کا عذر ہونا
ناقابل تعجب نہیں کیونکہ ان کو متناقض روایات کرنے کا بہت شوق تھا جیسا
کہ اللہ اعلم (معاذ اللہ)

سنیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کنی مرتبہ رسول خدا نے صبح کو آلام فرمایا اور
سناز صبح نہیں پڑھی چنانچہ مسلم ابو ہریرہ سے راوی ہیں کہ

رسالت عظمیٰ عزوہ خیر سے واپسی میں رات بھر چلتے رہے جب آپ کو
فیہد معلوم ہونے لگی تو ایک مقام پر اتر پڑے اور بلال سے کہا تم شب بھر
میری حفاظت کرو بلال کو جتنا ممکن ہو سکا انھوں نے نمازیں پڑھیں رسالت
سوتے رہے اور اصحاب کو بھی نیند آگئی جب صبح قریب ہوئی تو بلال طلوع
نجر کے انتظار میں اپنے رحلہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اسی حالت میں ان کی
آنکھ لگ گئی نہ نور سوں بیدار ہوئے نہ بلال اور نہ صحابہ میں کوئی شخص
یہاں تک کہ ان لوگوں پر دھوپ آگئی سب سے پہلے رسالت عظمیٰ بیدار ہوئے

نہایت فرعنہاک ہوئے اور فرمایا بلالؓ بلالؓ نے عرض کی میرے
 ماں باپ آپ پر فدا مجھے بھی اسی نے مجبور کر دیا جس نے آپ کو مجبور
 کیا۔ (مسلم جلد اول ص ۲۵۴)

ابو ہریرہؓ یہ بھی روایت کرتا ہے کہ ہم نے ایک مقام پر نبی خدا
 کے ساتھ شب میں منزل کی اور رات بھر سوتے رہے یہاں تک کہ آفتاب
 نکل آیا یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا یہاں سے اپنی سواریاں بڑھائے چلو
 یہاں ہم لوگوں کے پاس شیطان آگیا تھا۔

افسوس ان دشمنان اسلام نے حضرت سے نماز صبح فوت ہو جانے
 ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ یہ بھی گڑھ لیا کہ آپؐ نے نماز قضا ہونے کا باعث
 حضور شیطان کو قرار دیا، شیطان کے اقتدار کو اتنا وسیع اور عام کر دیا
 کہ رہا لٹاکا یہ بھی اس کا داؤں چل گیا، حضرت سے نماز کا قضا ہونا
 بعد از عقل اور فتنہ ہے، اس پر دوسرا طرہ یہ کہ آپؐ پر نماز شب
 واجب تھی اسے بھی چھوڑا اب ہم کو سوا اس کے اور کیا چارہ ہے
 کہ ہم اس روایت کی تکذیب کریں۔ خدا کی جانب سے رسالہ تکاب
 مانور تھے کہ آپؐ سوا تھوڑی دیر کے رات بھر عبادت کریں ارشاد
 ہوتا ہے یا ایہا المن مل قم اللیل الا قلیلا نصفہ او انقص
 منہ قلیلا اور نہ علیہ در تل القرآن تریلا ہ
 کیا اب بھی یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ آپؐ نے شب کو خود آرام فرمایا

اور بلال کو شب بھر حفاظت کرنے کا حکم دیا۔
 ہمارا مخالف اس کے جواب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ رسالہ کتاب
 نے ایسا صرف اس لئے کیا کہ مکلف کو معلوم ہو جائے کہ سوتے میں
 نماز قضا ہو جانا حرام نہیں اور اگر ایسا ہو جائے تو اس پر عقاب
 نہ ہوگا اس لئے کہ ہم اگر یہ تسلیم بھی کریں کہ فعل بنی مثل قول و تقریر
 حجت ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ قول و تقریر کے علاوہ صرف فعل
 ہی سے بیان احکام فرمائیں خصوصاً جبکہ ایسا کرنا تقویت واجب کا
 باعث ہو جس سے بنی کی ذات منسوخ ہے باوجودیکہ سوجانا رسول کا
 فعل نہیں جو حجت ہو تو یہ خدا کا فعل ہے۔

مذکورہ بالا روایت کو جھٹلانے کیلئے ابوہریرہ سی کی یہ روایت
 کافی ہے "رسالہ کتاب نے فرمایا جب ہم میں سے کوئی سوجاتا ہے تو
 شیطان اس کے سر پر تین گریں باندھ دیتا ہے یہ کہتے ہوئے کہ رات
 لمبی ہے خوب اچھی طرح سو! اگر وہ بیدار ہو کر ذکر خدا میں مشغول ہو گیا تو
 ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب وہ وضو کرتا ہے تو دوسری، اور جب
 نماز پڑھ لیتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور نہایت نشاط و فرح
 کے عالم میں صبح کرتا ہے ورنہ کسل مند اور خبیث النفس رہتا ہے"
 عبد اللہ سے مروی ہے کہ "رسول خدا کی خدمت میں ایک شخص کا
 ذکر ہوا جس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ سوتا رہا یاں تک کہ صبح ہو گئی

اور اس نے نماز نہ پڑھی تو آپ نے فرمایا کہ شیطان نے اس کے کان میں موت دیا ہے۔

کیا اب بھی ہم یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ رسالہ کتاب نے نماز صبح نہیں پڑھی اور سوتے رہے حالانکہ آپ نے ایسے شخص کو خبیث النفس کہا ہے اور اس کے متعلق فرمایا ہے کہ شیطان نے اس کے کان میں موت دیا نہیں! ہرگز نہیں!۔

انصاف یہ ہے کہ ابو ہریرہ اور اس کے امثال دیگر روایت حنفیوں نے رسالہ کتاب کی زبانی بہت سی احادیث گڑھی ہیں اسلام کے لئے اس کے دشمنوں سے بھی زیادہ مضر ثابت ہوئے کیونکہ انھوں نے دین کے پردے میں مسلمانوں کے دماغوں میں نہایت مہلک ذہر چھڑک دیئے، ابو ہریرہ کا فن وضع حدیث میں ایسا بلند پایہ تھا جو لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا احادیث کے گڑھنے میں ابو ہریرہ کے اس دعوے نے بھی بہت مدد کی کہ وہ رسول خدا کے ساتھ بہت رہا ہے، اور سب کو چھوڑ کر انہیں کامور با تھا، سادہ مزاج لوگ اس کی باتوں سے اس لئے دھوکا کھا گئے کہ وہ صحابی ہے، اور ان کی نظر میں ہر صحابی ملک مقرب اور نبی کی چھوٹی تصویر ہوتا ہے۔

اہلسنت نبی پر سہو کو جائز قرار دیتے ہیں یہ روایت کرتے ہیں
 کہ سفیان غلام ابن ابی احمد سے منقول ہے کہ اس نے ابو ہریرہ کو کہنے
 ہوئے سنا کہ رسالتکاب نے ہم لوگوں کے ساتھ نماز عصر پڑھی اور دو
 رکعتوں کے بعد سلام پڑھ کے نماز ختم کر دی۔ ذوالحجہ میں نے کھڑے
 ہو کر پوچھا یا رسول اللہ آپ نے نماز میں قصر فرمایا، یا دو رکعتیں
 بھول گئے آپ نے جواب میں فرمایا یہ سب نہ تھا ذوالحجہ میں
 ہوئے یا رسول اللہ کچھ تو ضرور تھا، رسالتکاب لوگوں کی طرف
 متوجہ ہوئے اور دریافت کیا، کیا ذوالحجہ میں صحیح کہہ رہے ہیں سب نے
 کہا ہاں یا رسول اللہ جس کے بعد آپ نے جو کچھ نماز باقی رہ گئی
 معنی اس کو تمام کیا اور سلام پڑھنے کے بعد ہی دو سجدے فرمائے
 عمر بن حصین نے بھی اسی طرح سے روایت کی ہے صرف اس کے
 آخر میں اتنا اور زائد کیا ہے کہ رسالتکاب اپنی ردا کھینچتے ہوئے
 غضبناک ہو کر نکلے اور لوگوں کے پاس پہنچ کر پوچھا کیا یہ صحیح کہہ رہا
 ہے، سب نے کہا جی ہاں اس پر آپ نے ایک رکعت اور پڑھی
 پھر سلام پڑھا اور دو سجدے کئے اس کے بعد پھر سلام پڑھا۔
 اگر ان دونوں روایات میں غور کیا جائے تو نبی پر سہونا جائز
 ہونے سے قطع نظر کر کے بھی ان روایات کا جھوٹ ہونا ثابت ہو جائیگا

کیونکہ جب ذوالیدین نے آپ سے عرض کیا کہ کیا آپ نے نماز قصر
 فرمائی یا بھول گئے تو آپ نے دونوں احتمالوں کی نفی یوں فرمائی کہ
 کل ذلک لم یکن یہ سب نہ تھا " بیشک آپ کا یہ فرمانا
 بغیر سوچے سمجھے اور معاذ اللہ مہمل اور فضول نہ تھا اور آپ کا کلام
 دوسرے انسانوں کی طرح محمل صدق و کذب نہیں جس پر آیت
 دما یطوق عن الہوی ان ہوا لا وحی یوحی بصرحت
 دلالت کرتی ہے آپ کا غضبناک ہو کر نکلنا بھی اس پر دلالت کرتا
 ہے کہ آپ کی طرف ذوالیدین نے جو سہو کی نسبت دی تھی اس پر
 آپ پریم تھے اور اگر یہ نسبت آپ کی مقدس شخصیت کے سنا فی
 نہ تھی تو آپ کا غضب بے محل ہے چنانچہ آپ کا غضبناک ہونا
 اور ذوالیدین کے قول کی رو کرنا اس امر کی دلیل قوی ہے کہ آپ
 سہو نہیں کر سکتے۔ اور پھر اس انکار کے بعد رسالہ کتاب کا دوبارہ
 نماز کو مکمل کر کے سجدہ سہو کرنا معقول نہیں ہو سکتا اس لئے کہ آپ نے
 پہلے ہی نفی فرمادیا تھی کہ میں نے سہو نہیں کیا۔ حاضرین سے اس کا
 دریافت کرنا بھی سمجھ میں نہیں آتا ہاں یہ اس وقت تصور ہو سکتا ہے
 جب تسلیم کریں کہ نماز میں حاضرین کے قلوب زیادہ حاضر تھے
 اور ان کی نماز آپ سے زیادہ مکمل تھی اور آپ کی بہ نسبت وہ
 بہت زیادہ متوجہ تھے، لیکن یہ اعتقاد کفر کے سوا اور کیا جاسکتا ہے

جس سے ان کے عقائد کا فساد ضرور واضح ہو جائے گا
 حضرات اہلسنت کے خرافات میں بہ بعض امور تھے جن کو میں نے
 پیش کیا خوف تطویل کی وجہ سے دیگر خرافات سے اعراض کیا جاتا ہے
 ورنہ اسی قسم کی بہت سی احادیث بدیہ ناظرین کی جاسکتی ہیں مذکورہ بالا
 واقعات سے اہلسنت کے اصول و عقائد کی حالت معلوم ہوئی، فروع
 فقہ میں بھی ان کی یہی حالت ہے اور ان کے اغلب احکام قیاس سے
 مستنبط ہیں جو نہ کتاب خدا کی طرف مستند ہے نہ سنت رسول کی جانب
 اہلسنت میں سب سے زیادہ قیاس کرنے کا شوق ابو حنیفہ کو
 تھا جب ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا تو یہ قبل ازیں کہ
 قرآن و احادیث میں اس کی دلیل پر غور کریں فوراً جواب دے دیا
 کرتے تھے جس کی وجہ سے یہ بہام ملامت کا نشانہ بن گئے و خطیب
 بغدادی کو اپنی تاریخ میں ایک تشقلیٰ باب ان کے مطاعن میں تحریر
 کرنا پڑا اور اہل سنت کے فحول علمائے ان کی تکفیر کا فتویٰ دیدیا
 ابن شرمہ بیان کرتے ہیں۔

” ایک دفعہ میں اور ابو حنیفہ امام جعفر صادق کی خدمت میں
 حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یہ عراق کے مرد فقیہ ہیں امام نے
 فرمایا شاید یہ وہی ہیں جو اپنی رائے سے قیاس کرتے ہیں کیا یہ نعمان
 بن ثابت ہیں (ابن شرمہ کہتے ہیں مجھے ان کا نام اسی دن معلوم ہوا)

ابو حنیفہ نے کہا جی ہاں میں ہی ہوں، امام نے فرمایا خدا سے ڈرو اور دین
 میں اپنی رائے سے قیاس نہ کرو کہونکہ پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہے کہ اس نے
 کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں، اور اس میں خطا کی اور گمراہ ہو گیا، پھر آپ نے
 فرمایا کہ کیا اپنے سر کو جسم پر قیاس کر سکتے ہو ابو حنیفہ نے کہا نہیں پھر آپ نے
 ابو حنیفہ سے چند سوالات کئے جو خلعت انسان سے تعلق رکھتے تھے لیکن ابو حنیفہ
 اس کے جواب نہ دے سکے امام نے جوابات دے کر ان کو سمجھایا۔ اس کے بعد
 آپ نے دریافت کیا کہ بتاؤ خدا کے نزدیک ناحق قتل نفس میں گناہ زیادہ
 ہے یا زنا میں ابو حنیفہ نے کہا کہ قتل نفس میں۔ امام نے فرمایا خدا نے قتل نفس
 میں دو گواہ قبول کئے اور زنا میں چار گواہ سے کم مقبول نہیں تم یہاں پر کہونکہ
 قیاس آرائی کر سکتے ہو، پھر آپ نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک نماز عظیم تر ہے
 یا روزہ ابو حنیفہ نے عرض کیا نماز آپ نے ارشاد فرمایا تو حائض روزہ کی
 کیوں قضا کرتی ہے نماز کی قضا کیوں نہیں کرتی۔ اے بندہ خدا سے ڈرا اور
 دین میں اپنی رائے سے قیاس نہ کر ہم اور ہمارے مخالفین کل خدا کے سامنے کھڑے
 ہوں گے ہم تو بر عرض کریں گے کہ خدا نے فرمایا تھا اسکے رسول نے یہ حکم دیا تھا۔
 تم اور تمہارے اصحاب کہیں گے کہ ہم نے یہ سنا تھا اور ہماری رائے یہی ہے خدا
 ہمارے اور تمہارے ساتھ جو چاہے گا کرے گا۔ سابق الذکر دونوں مسئلوں کا
 جواب یہ ہے کہ زنا میں چار شاہد صرف پردہ پوشی کی بنا پر رکھے گئے ہیں اور
 حائض نماز کی قضا صرف شفقت کے دفع کرنے کے لئے نہیں واجب کی گئی کیونکہ

نماز شب در روز میں یا پنج مرتبہ بے خلاف روزہ کیونکہ وہ سال میں ایک ماہ ہے
واللہ اعلم (حیوۃ المؤمنین جلد ۲ ص ۱۷۸)

دیکھو امام علیہ السلام نے جو اہلبیت کی ایک فرد ہیں (اور گھر والے گھر کی
بات کو خوب جانتے ہیں) ابوحنیفہ کو کس شدت کے ساتھ قیاس سے روکا ہے
اور اس کی خطابان کی ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ قیاس پر عمل کرنا
نا جائز ہے۔

بخاری کی بعض روایات سے امام علیہ السلام کے قول کی تائید ہوتی ہے
خاتمہ وہ ابن عمر سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے رسالتکتاب کو نہ کہتے ہوئے
سنا کہ "خدا لوگوں کو علم عطا کرنے کے بعد ان سے چھین نہیں لیتا لیکن جب علما
اپنے علم کو روک لیتے ہیں تو اس وقت ان سے علم لے لیتا ہے جس کے بعد جاہل
رہ جاتے ہیں جو اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہیں اور خود گمراہ ہو کر دوسروں کو بھی
گمراہ کرتے ہیں اسی طرح بخاری (اسی کے بعد اس باب میں جس میں ان سوالات
کے بارے میں ذکر کیا ہے جو رسالتکتاب سے دریافت کئے جانے تھے اور اسکے
بارے میں وحی نہیں ہوتی تھی) روایت کرتے ہیں کہ رسالتکتاب فرمایا کرتے تھے
کہ مجھے نہیں معلوم با جواب نہ دیتے تھے جس تک کہ وحی نہ نازل ہوتی تھی اور کبھی
انہی رائے یا قیاس سے جواب نہ دیتے تھے۔ ابن مسعود کہتے ہیں آپ سے روح
کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے سکوت اختیار فرمایا یہاں تک کہ آیت نازل ہوئی
جب نبی نبی ہو کر سوالات کا جواب بغیر وحی نازل ہوئے نہیں دیتے تھے تو

ابوصنیفہ اور ان کی امثال کو جو جائزہ لکھا، ہیں یہ کیونکر جائز ہو گیا کہ اپنی رائے سے فتویٰ دے دیں اور بغیر کسی کتاب و سنت رسول کی طرح رجوع کئے ہوئے اپنی عقل سے قیاس آرائی کریں۔ ابن عمر کی روایت کے دیکھنے کے بعد اہلسنت کی احکامات فقہیہ کی قیمت اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کیونکہ رسالت اکابر نے اپنی رائے سے فتویٰ دینے والے کو گمراہ اور گمراہ کن فرمایا ہے اور قیاس آرائی کر کے فتویٰ دینا اہلسنت کا خاص جہر ہے۔

ہم ناظرین کرام کے لئے ابوصنیفہ کی نماز کا نقشہ پیش کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ لوگ احکام خدا کے ساتھ کتنا کھیلتے ہیں چنانچہ صاحب کتاب حیوان المحبۃ ابن خلکان سے نقل کرتے ہیں کہ وہ سلطان محمود کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ وہ حنفی المذہب اور علم حدیث کا بہت دلدادہ تھا احادیث کے معنی دریافت کرتا تھا تو اکثر کو مذہب امام شافعی کے موافق پاتا تھا ایک روز شافعی و حنفی دونوں مذہب کے علماء کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ ایک مذہب کو دوسرے پر ترجیح دیں ان سب نے اس پر اتفاق کیا کہ سلطان محمود کے سامنے دو رکعتیں امام شافعی کے مذہب کے مطابق پڑھیں جائیں اور دو رکعتیں ابوصنیفہ کے مسلک کے مطابق بادشاہ ان کو دیکھ کر جسے اچھا سمجھیں اختیار کر لیں چنانچہ قتال مردزی نے طہارت کا ملہ شرط معتبرہ لباس و استقبال قبلہ دارکان رہا ہیات و سنن و آداب و ابواب کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں جس کے علاوہ شافعی اور کسی نماز کو جائز نہ سمجھتا تھا، پھر دو رکعتیں

ابوصیفہ کے فتوے کے مطابق اس طرح پڑھیں کہ پہلے کتے کی کھال پہنی اور
 اس کے بعض حصے کو بکاست سے اکودہ کیا، خرے کی شراب سے بغیر
 نیت کے الٹا وضو کیا شدت کی گرمی تھی اس پر کچھ مجھیر اور ٹکٹیاں بھی جمع
 ہو گئیں پھر استقبال قبلہ کر کے فارسی میں تحبیرۃ الاحرام کہی پھر ہاتھان کا ترجمہ
 دو بگ سبز بجاے سورہ پڑھا اور سجدہ میں بغیر فاصلہ کے مرغ کی طرح
 درٹھوٹگیں ماریں۔ نہ طمانیت کی نہ تشدد پڑھا آخری رکعت میں عماد رباح
 بھی صادر کیا اور بغیر سلام کے نیت کے نماز ختم کر دی اس کے بعد کہنے لگا
 بادشاہ ملا حظہ فرمائیں یہ ابوصیفہ کی نماز ہے۔ بادشاہ نے کہا اے قتال
 اگر یہ ابوصیفہ کی نماز نہ ہوئی تو میں تجھے قتل کر ڈالوں گا اس لئے کہ اسی
 نماز کوئی دیندار جائز نہیں قرار دے سکتا میں باور نہیں کر سکتا کہ یہ ابوصیفہ
 کے نزدیک جائز ہو، قتال نے ابوصیفہ کی کتابیں منگوانے کو عرض کیا۔
 بادشاہ نے کتابیں مانگے جانے کا حکم دیا اور ایک نصرانی کو مامور کیا کہ قرآن
 کی کتابیں پڑھے چنانچہ اس نے جو نماز قتال نے پڑھی تھی ابوصیفہ کے
 نزدیک جائز پائی یہ معلوم کر کے بادشاہ نے مذہب ابوصیفہ کو چھوڑ کر شافعی
 کا مذہب اختیار کر لیا۔

اس نماز کے متعلق ناظرین بھی سلطان محمود کے ہم آواز ہوں گے کہ
 وہ کسی دیندار کے نزدیک جائز نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اس نماز کا ہر ہر
 جز عقل سلیم، احادیث صریحہ و تفصیل مرویہ اور اجماع است کے بالکل خلاف

ہے ابو حنیفہ کا ایک عجیب فہمی یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ اگر نماز میں بے اختیار ریاہ صادر ہو جائے تو باطل ہو جاتی ہے اور اگر جان کر ریاہ صادر کرے تو نماز درست رہتی ہے۔

یہ نماز قیاس کے بھی مطابق نہیں کیونکہ شریعت اسلام میں ایسے احکام نہیں جن پر قیاس کیا جاسکے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو حنیفہ احکام شریعہ میں تمام قیود سے آزاد تھے یہاں تک کہ قیاس بھی رک فرمادیتے تھے جس کے بہت دلائل تھے اور شاید اسی تساہل نے ان کے مذہب کو اقطاع عالم میں اچھا خاصہ رواج دے دیا کیونکہ انسانی طبیعتیں فطرتاً آزادی پسند ہیں وہ کسی قسم کی قید و راسخ سے گوارہ کرتی ہیں خصوصاً وہ وہ آزادی جو دین کی آڑ میں ہو۔

اس کے علاوہ ابو حنیفہ کے اور بہت سے عجیب و غریب فتاویٰ ہیں جن کو ہم مشہور ہونے کی وجہ سے ترک کرتے ہیں، ابو حنیفہ کی طرح دیگر ائمہ اہلسنت نے بھی سفود ایسے فتوے دیے ہیں جو اسلام کی تعلیم کے بالکل خلاف ہیں حضرات اہلسنت کے خدا و انبیاء و رسل اور احکام شریعہ کے متعلق مذکورہ عقائد معلوم ہونے کے بعد کیا اس کا امکان باقی رہ جاتا ہے کہ ان کے مذہب کو مذہب جعفری کے مقابلہ میں لایا جائے جو خدا کو تجسیم و افتقار سے منزہ انبیاء کو معصوم جانتا ہے جس کے تمام تر نظریات ان اہلسنت عصمت و طہارت سے ماخوذ ہیں جن کو خدا نے ہر برائی سے دور

رکھ کر مٹھ پر قرار دیا ہے۔ سنیوں کے مذاہب اربعہ ایسی تاریک راہ پر
گامزن ہیں جو ان کے لئے معرفت الہیہ و احکام شرعیہ تک پہنچنے میں
سنگ راہ ہیں۔

شیوہ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ صراطِ مستقیم پر راہ رو ہیں کہونکہ
انھوں نے محبت اہلبیت کا دودھ پیا ہے اور انہیں کی تعلیمات میں آنکھ کھولی
ہے اور سوائے ان کے راستہ کے اور کسی راہ پر نہیں چلتے وہ فرقہ جو اہلبیت
کے دامنِ عصی سے متمسک ہے انہیں کے ساتھ غشور ہو گا جن کو وہ دوست
رکھا ہے شیوہ محبت اہلبیت کے بارے سے مخمور ہیں۔

شیعہ

لفظ شیعہ اس قوم و گروہ کو مراد لیتے ہیں جو ایک امر پر متفق الراہ ہو کر متحد ہو جائے۔

چنانچہ لفظ شیعہ کسی فرقہ سے مخصوص نہیں بلکہ ہر اس گروہ کو شامل ہے جو کسی امر پر متفق ہو جائے لیکن اصطلاحاً یہ لفظ عموم سے خارج ہو کر ان لوگوں پر غالب ہو گئی جو اہلبیت طاہرین سے منسلک ہوں، اور اسکی جماعت کا خاص لقب ہو گئی جس سے وہ دوسری جماعتوں سے ممتاز ہوتی ہے صاحب کتاب لسان العرب کہتے ہیں کہ

والشيعۃ القوم الذين يجمعون على الامر وكل قوم امرهم واحد متبع لبعضهم راى بعض فهم شيعة " وقال نقل عن	شیعہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو ایک امر پر مجتمع ہو جائیں، اور ہر قوم جو ایک امر پر مجتمع ہو جائے شیعہ ہے اور ہر وہ قوم جس میں ایک ہو اور ان میں ایک دوسرے کی رائے کا
----------------------------------------------------------------------------------------------------------------	--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

الائتہری والشیعة اتباع
الرجل والنصارۃ وجمعہا
شیعہ وانشاء جمع الجمع و
بقال شایعہ لکما یقال
والاۃ من الولی (وقال)
واصل الشیعة المارقة
من الناس ویقع علی الواحد
والاثنین والجمع والمذکر
والمؤنث بلفظ واحد و
معنی واحد وقد غلب
هذا الاسم علی من اتوی
علیا واهل بیتہ ورضوان
اللہ علیہم اجمعین صار لهم
اسماء خاصا فاذا قيل فلان
من الشیعة عرف انه
منہم واصل ذلك من
المشایعة، وھی المتابعۃ
والمطاعۃ۔

اتباع کرنا بودہ شیعہ ہیں اور ازہری
سے یوں نقل کیا ہے کہ شیعہ کسی شخص
کے پیرو اور مددگاروں کو کہتے ہیں
اس نئی جمع شیعہ اور جمع الجمع انشاء
ہے لکھا جاتا ہے کہ شایعہ جس طرح
کہتے ہیں والاۃ من الولی یعنی اس کو
دوست رکھا، اور اصل شیعہ بمعنی
جماعت ہے جو واحد شیعہ جمع مذکر
مؤنث ہر ایک میں ایک ہی لفظ اور
ایک ہی معنی میں مستقل ہے لیکن یہ
لفظ اس جماعت پر غالب ہو گئی
جو علی اور ان کے اہلبیت رضوان اللہ
علیہم کو دوست رکھتی ہو، یہاں تک
کہ لفظ ان کا خاص نام ہو گئی چنانچہ
جب کہا جاتا ہے فلاں منجد شیعہ
ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مذکورہ
جماعت کی ذر ہے اور اس کی اصل
شایعہ سے ہے جس کے معنی

مناجعت و مطاعت کے ہیں۔
 ہم اس کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے
 شیعوں کی ابتدا کہ کئی دفعات رسالتِ مآب کے بعد تھا کیونکہ
 بہت واضح امر ہے اور تاریخ کی جس کتاب پر دل چاہے ایک سرسری نظر
 والے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ احمد امین کتاب فخر الاسلام میں لکھتا ہے۔
 ”شیعوں کا پہلا تخم وہ جماعت تھی جو بنی کی وفات کے بعد یہ خیال
 کرتی تھی کہ اہلبیت سب سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں اور اہل بیت
 میں سب سے اولیٰ عباس عم بنی اور علیؑ ان عم رسول ہیں اور علی عباس
 سے اولیٰ ہیں جیسا کہ سابق میں ہم بیان کر چکے ہیں عباس نے خود علی
 سے خلافت کے بارہ میں نزاع نہیں کی بلکہ صرف اولیٰ بالمیراث ہونے
 میں فدک کے بارہ میں نزاع کی تھی۔“ (فخر الاسلام ص ۳۱)
 اور محمد عبداللہ عنان تاریخ الجمعیات السریہ والحركات الفکرية
 میں رقمطراز ہے۔

”شیعہ عرف کلام میں علیؑ اور ان کی اولاد کے اتباع ہیں اور ان کو شیعہ
 اہلبیت کہا جاتا ہے اور یہ کہنا غلطی ہے کہ شیعہ پہلی مرتبہ خوارج کے اختلاف
 کے وقت ظاہر ہوئے اور ان کو شیعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اس وقت
 علی کے طرفدار رہے، بلکہ شیعہ علیؑ وفات رسول ہی کے زمانہ سے ظاہر ہو گئے
 تھے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں اور وہ سرفہر اور فرست کے ستلاشی و منتظر تھے

یہاں تک کہ خلافت علی کو مل گئی :- (حصہ ۲)
 لیکن اگر نقشب کی عینک اتار کر اچھی طرح تاریخ کی ورق گردانی
 کی جائے تو یہ علوم سوجھ جائے گا کہ شیعہ کی تلکون رسالتکاب کی حیات ہی میں
 آپ ہی کے سامنے ہو گئی تھی اور اس کا یقین ہو جائے گا کہ سلا تخم شیعہ
 وہ جماعت نہ تھی جس نے بعد وفات رسول اہلبیت کو مقدار خلافت سمجھا
 تھا جیسا کہ احمد امین کا خیال ہے، بلکہ اس جماعت کے تخم ریز خود حضور سرور
 کائنات تھے اور آپ ہی نے اپنے دست مبارک سے اس تخم کو بو کر نفس
 نفس اس کی آبپاری فرمائی اور آپ ہی کی حیات مبارکہ میں سچہ شیعہ
 سرسبز شاواہ اور بار آور ہو گیا تھا، ابوجاتم رازی کتاب الزمینیہ میں
 تحریر کرتے ہیں :-

ان اول اسم ظہور فی الاسلام
 علی عہد رسول اللہ ہو
 الشیعۃ وکان ہذا القب
 اربعۃ من الصحابۃ وہم
 ابوذر و سلمان الفارسی
 و المقداد بن الاسود
 و عمار بن یاسر الی ان
 ان ادان الصنفین فاشترقا
 پہلا نام جو اسلام میں زمانہ رسالتکاب
 میں ظاہر ہوا وہ شیعہ ہے اور یہ
 صحابہ میں سے چار اشخاص ابوذر،
 سلمان فارسی، مقداد ابن اسود،
 اور عمار یا سر کا لقب تھا یہاں تک
 کہ جنگ صفین کا وقت آیا اس وقت
 یہ نام دو سرداران علی میں مشہور
 ہو گیا اور پیردان نعاویہ سنی کے

بن الموالی علی و شہق
من اتباع معاویہ بالسنی

نام سے مشہور ہوئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ فوراً شیعہ بھی اسی وقت پھیل گیا تھا جب جزیرہ
نمائے عرب میں فوراً اسلام صوافلک مٹھا اور اکابر صحابہ نے اس کا اسی زمانہ
میں اقرار کر لیا تھا جبکہ وہ ائمہ کے معتقد ہو کے رسالت کا اقرار کر رہے تھے
یہ امر اس وقت خوب واضح ہو جائے گا جب سنو گے کہ ابوذر جراحؓ
تھے یہ وہی ہے اس مذہب کے پھیلاؤ کی کوشش کیا کرتے تھے، اور جب سے
دین اسلام اختیار کیا تھا اسی وقت سے اس کی تعلیمات کے نشر میں سعی کرنا شروع
کر دی تھی اور ایسا ہی سلمانؓ عمارؓ مقدادؓ ہر ایک نے کیا۔

رسالہ کتاب سے بہت سی ایسی روایات منقول ہیں جن میں لفظ شیعہ کی
تفسیر ہے جو اس بات کی دلیل ہیں کہ شیعوں کی قدانت ایک ایسا تاریخی
سلسلہ ہے جس کی عقل و نقل دونوں تائید کرتے ہیں ابن جریر صواعق محرقة ص ۹۲
میں لکھتا ہے کہ

”امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ میرے خلیل (رسالہ کتاب) نے ارشاد فرمایا کہ
اے علیؓ تم اور تمہارے شیعوں غریب خدا کی بارگاہ میں خوش و مسرور حاضر ہوں گے
اور تمہارے دشمن غضبناک اور سزنگوں۔“

نیز ص ۹۲ میں کہتا ہے کہ

احمد نے مناقب میں روایت کی ہے کہ رسول خدا نے علیؓ سے فرمایا کیا تم اس
راہنی نہیں ہو کہ تم جنت میں میرے ساتھ داخل ہو گے اور حسن و حسینؓ اور ہماری
ذرت ہمارے پیچھے پیچھے اور ہماری بیبیاں ہماری ذرت کے پیچھے ہوں گی

اور ہمارے شیعوہ ہمارے داہنے اور بائیں ہوں گے۔“

اور اسی صفحہ پر روایت کی ہے کہ

”طبرانی سے مراد ہے کہ رسول خدا نے علی سے فرمایا ہے کہ ان چار گروہوں میں جو پہلے جنت میں داخل ہوگا سب سے پہلے میں اور تم اور حسین ہوں گے اور اور ہمارے پیچھے پیچھے ہماری ذریت اور ان کے پیچھے ہماری ازواج ہوں گی اور ہمارے شیعوہ ہمارے دائیں اور بائیں جانب ہوں گے۔“

صواعق مخرقہ صلا میں یہ بھی مراد ہے کہ

”اے علی خدا نے تم کو اور تمہاری ذریت، اولاد، اہل، شیعوہ اور شیعوں کے دوستوں سب کو بخش دیا بشارت حاصل کر رہے تم انزع و طین ہو۔“

اسی طرح کی روایات صواعق میں بکثرت مذکور ہیں جس کا دل چاہے وہ مراجعہ کرے ان سب کی روایت ابن حجر نے کی ہے حالانکہ وہ اپنے زمانہ میں سرگروہ متعصبین تھا اور امیر المؤمنین پر دانت پسیا کرتا تھا۔ اس نے اپنی کتاب صواعق کو صرف شیعوں کی منزلت پسند کرنے اور ان کے مقدمات کو مٹانے کیلئے تالیف کیا ہے ان امور کے بعد ناظر انصاف کے قلب میں ان احادیث کی صحت میں شک کا گز نہیں ہو سکتا جبکہ ابن حجر اسی متعصب نے ان کو صحیح مانا ہے

در حقیقت احادیث مذکورہ صرف شیعوں کی بصیبت ہی پر دلالت نہیں کرتی ہیں بلکہ رسالت کی نظروں میں جو اس فرقہ کی بلند منزلت تھی اس کو بھی بدرجہ اتم واضح کرتی ہیں چنانچہ آپ اہلبیت کا ذکر نہیں فرماتے مگر یہ کہ انھیں کے ساتھ ساتھ شیعوں کا بھی ذکر کرتے ہیں اور انکو جنت کی بشارت نہیں دیتے مگر یہ کہ یہ بھی خبر دیتے ہیں کہ انکے شیعوہ بھی انھیں کی قدرت میں ہونگے اور شیعوں کا ایسا طرہ امتیاز و تمیز افتخار ہے جس کی صاحبان انصاف ہی قدر کرتے ہیں اور اسی بلند منزلت ہے جس کا اہل دل اقرار کریں گے

شیعہ اثنا عشری

سابق کے بیان سے معلوم ہو چکا کہ لفظ شیعہ شایعہ سے ماخوذ ہے اور کسی شخص کے شیعہ اس کے احباب اور پیروں کو کہا جاتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم کو کوئی کسی شخص کے گردہ اور متبعین میں اس وقت تک نہیں شمار کر سکتا جب تک ہم اس کے اوامر کو بجا نہ لاتے ہو اور نواہی سے بچنے نہ ہو اور جب تک ہم کسی کی راہ پر نہ چلو اس وقت تک ہم اس کے متبع نہیں کہے جاسکتے اس سے یہ معلوم ہوا کہ لفظ شیعہ ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو اہلبیت اطہار علیہم السلام کے بتائے ہوئے راستہ پر چلیں اور ان کے افوار سے روشنی حاصل کریں، ہم شیعوں کے تمام اصناف میں شیعہ اثنا عشریہ کے سوا اور کسی جماعت کو ایسا نہیں مانتے جو اہلبیت کے نقش قدم پر چلیں کیونکہ یہی فرقہ اصول فروع اور حلقہ تعلیمات میں انکی طرف رجوع کرتا ہے اور محمد اقدس فرقہ کے افراد تمام عالم میں پھیلے ہوئے ہیں جس میں سربراہ اور وہ بادشاہ امرایک اور اعلام ادباء کتاب شعر و کثرت گذرے اور اب بھی پائے جاتے ہیں اور جو عالم تصنیف و تالیف میں تمام قوموں سے گویے سبقت لے گئے اور تمام فنون اسلام میں انھوں نے ایسی حیرت انگیز برتری کی جس کے سامنے دنیا کی ساری اہل موضوع پر تفصیلی اطلاع حاصل کرنے کے لئے کتاب الشیعہ وفنون الاسلام مصنفہ علامہ حسن صدر دام ظلہ (افسوس کہ اب مصروف دار و دنیا سے انتقال فرما چکے

ہر قوم سر تسلیم خم کے نظر آتی ہے ہم نے یہ تالیف صرف اسی فرقہ کی شخصیت ظاہر کرنے اور دشمنوں نے جو بے سرد یا اعتراضات اس پر عائد کئے ہیں ان کے دفع کرنے کے لئے کی ہے۔

ذی شعبہ میں بہت سے ایسے گروہ زیرِ رستی داخل ہو گئے ہیں جن سے نزقہ شیعوں کو رسا لگا رہا ہے اور نہ ان کو شیعوں سے بلکہ وہ فرقہ وارد اسلام سے بھی خارج ہیں یہ ہم

..... ان کے نظریات و
معتقدات کو رائے حقارت سے ٹھکراتے ہیں، خیالِ خیر فرقہ کے سامنے بھی فرقہ
شعبہ میں داخل سمجھا جاتا ہے جس کے سعلق ابو الفتح شہرستانی جو اکابر علمائے
اہلسنت میں سے ہے تحریر کرتے ہیں کہ اس فرقہ کا اعتقاد یہ ہے کہ دین ایک مرد کی
اطاعت کا نام ہے اور ہر لوگ اس کی اطاعت تک پہنچنے میں قضا یا
شرعیہ کو ترک کر بیٹھے اور قیامت کے بارے میں کمزور اعتقاد رکھتے ہیں اور ان
(تناسخ) اور طول کے قائل نہیں یہاں تک کہ ان میں ایک فرقہ کے رئیس عبداللہ
بن معاویہ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ روح خدا تناسخ کے ذریعہ اس تک پہنچی
ہے اور اس میں طول کر گئی ہے اور وہ خدائی اور نبوت دونوں کا دعویٰ کر رہا
اور یہ بھی کہا کہ میں عالم الغیب ہوں خیالِ خیر اس کے گروہ نے اس کی عبادت بھی
کی اور ان میں کا ایک فرقہ جس کا نام بنائیت ہے اُن کی خدائی کا قائل ہے

(بقیہ صفحہ ۸۵) اور ہمیں وامِ ظلم کے بجائے طابِ نراہ لکھنا چاہئے) کا مطالعہ کرنا چاہئے
جس کا ترجمہ مختلف لغات میں ہو چکا ہے۔

اور اس کا ادا کرنا ہے کہ علیؑ میں خدا کے ایک جزو نے حلول کیا اور ان کے جسم سے متحد ہو گیا ہے۔

”فرقہ خطابیہ کہتا ہے کہ ائمہ دراصل انبیاء تھے پھر اس کا قائل ہو گیا کہ میں ملک سب خدا تھے امام جعفر علیہ السلام کو جب اس کے فاسد اعتقادات پر اطلاع ہوئی تو آپؑ نے اس سے برائت کا اظہار کیا اور اپنے اصحاب کو بھی اس سے باخبر کر دیا۔“

صاحب عقد فرید صفحہ ۳۵ جلد امیں بیان کرتے ہیں کہ ”بہر علیؑ کے بارہ میں وہی کہتے ہیں جو نصاریٰ مسیح کے متعلق کہتے ہیں اور علیؑ نے ایسے لوگوں کو آگ میں جلا دیا تھا۔“

ان فرق کے علاوہ اور بہت سے گمراہ فرقے ہیں جو شیعوں میں داخل ہو کر ان کے لقب سے ملقب ہو گئے۔ کیا یہ معلوم کرنے کے بعد کہ یہ فرقے دین اسلام کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہیں اور مذہب جعفری کے مبانی میں یہ جائز ہے کہ ان کو شیعوں میں شمار کیا جائے یا جو دیگر زعمائے مذہب خلیعہ ان سے اپنی برائت کا اظہار اور ان ملعونوں سے بالغض کرتے ہیں اور لوگوں کو ان کے اتباع اور ان کی رائے پر عمل کرنے سے منع کر چکے ہیں یہی برگزینہ ان کو شیعوں میں نہیں شمار کیا جاسکتا بلکہ ان گمراہ فرقوں کو شیعوں میں داخل سمجھنا ان پر صریح ظلم ہے اور کثرت کرنے والے کے لئے شرم کی بات ہے کہ وہ اپنے قلم کو ایسی نسبت سے اکودہ کرے جس کی وجہ سے تاریخ کا چہرہ سیاہ اور جنس انسانیت پر ندامت کا لہجہ اٹھائے ہم پر پور ان فرقوں پر یہ شعر منطبق ہوتا ہے۔

نَضِیدُ عَنَاوِلِنَا مِنْهُمْ وَلَا هُمْ مَنَا وَلَا مِثْلُنَا هُمْ

ہم اپنے سے ان کی نفی کرتے ہیں اور نہ ہم ان میں سے ہیں اور نہ وہ ہم میں سے اور نہ ہم ان سے خوشنود ہیں۔

نہایت تعجب کی بات ہے کہ جن بحث کرنے والوں نے فرقوں اور قوموں کا ذکر کیا ہے انھوں نے مذکورہ فرقوں اور ان کے امثال کو شیعوں میں شمار کیا ہے باوجودیکہ وہ دین اسلام ہی سے خارج ہیں گویا ان بحث کرنے والوں نے عملی اتحاد اور دلی اتباع پر نظر نہیں کیا بلکہ صرف ایک عام معنی یعنی محبت علی پر اکتفا کی جو گویا سب کو شامل ہے۔

حالانکہ یہ نہایت اعلیٰ ہوئی غلطی اور ناقابلِ عفو لغزش ہے کیونکہ اگر صرف برائے نام حب علی شیعیت کے لئے کافی ہے تو سنی بھائی زیادہ حقدار ہیں ان کو شیعوں میں شمار کیا جائے کیونکہ غیر مسلم سے مسلم کو شیعوں میں داخل کرنا اولیٰ ہے ابو الفتح شہرستانی کا فرقہ کاملیہ کا شیعوں میں داخل کرنا بھی تعجب سے خالی نہیں ہے باوجودیکہ وہ خود اس کے معترف ہیں کہ اس فرقہ کا رئیس ابو کامل تمام صحابہ کو بیعت علی ترک کرنے کی وجہ سے کافر کہتا ہے اور خود امیر المومنین کو بھی تیر ملاست کا نشانہ بناتا ہے اور ان کو گھر میں محفے رہنے میں نعوذ ورنہ نہیں خیال کرتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ فرقہ شیعوں میں کیونکر محسوب ہو سکتا ہے جبکہ وہ خود امیر المومنین پر طعن کرنا شیعیت کا سوجب ہے جس کی وجہ سے شہرستانی کی نظر میں اسم با اسمی میں مطابقت نظر آئی۔

در اصل شہرستانی اور ان کے مانند دوسرے لوگوں کا ان گمراہ فرقوں کو شیعوں میں شمار کرنا صرف فرقہ حقہ شیعہ کی منزلت کو لپٹ کرنے اور اس کو

ایک ایسی بھیانک صورت میں پیش کرنے کے لئے ہے جس سے لوگوں کے طبائع متغیر ہو جائیں۔

اور درحقیقت وہ فرقے جو تناسخ یا حلول یا اسی طرح دیگر فاسد عقائد کے معتقد ہوں اس قابل ہیں کہ مجمع انسانی کبھی ان کو عزت کی نگاہ سے نہ دیکھے اور ایک منٹ کے لئے بھی ان کے اعتقادات سے راہنی نہ ہو۔ اگر ایک سادہ مزاج اور حقیقت امر سے نادان شخص حیات شیعہ کا وہ صفحہ دیکھے جو ابوالفتح شہرستانی نے اپنی اغراض و خواہشات کا اتباع کرتے ہوئے کتاب ملل و نحل میں تحریر کیا ہے تو وہ یقیناً یہ خیال کرے گا کہ قوم شیعہ ان جاہل قوموں میں سے ہے جسے ذالقمہ علم کو چکھا تک نہیں اور وہ ان تعلیمات سے بالکل بے خبر ہے جو بانی اسلام محمد بن عبد اللہ ﷺ نے حق عواطف کی پیروی اور اغراض کا اتباع انسان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنے دشمن کی طرف بے بنیاد بات کی نسبت دیدے قبیلک کہ اس کی اغراض میں مفید ہوتا رہے، اس طریقہ نے کتنے ہی حقائق کا خون کر کے واقعات کو مٹا کر نسبت و نابود کر دیا۔

ایسے کٹ کرنے والے کس قدر ملاست کے مستحق ہیں جو اپنی تخریبی و بے تعصب کو حکم بنا دیں اور اغراض کا اتباع کر کے حق کو باطل اور باطل کو حق کی صورت میں پیش کریں اور بغیر اولہ و براہین قائم کے ایسے بے بنیاد دعوے کریں جس کو کوئی صاحب عقل و شعور قبول کرنے کو تیار نہ ہو اور جسے ہر منصف مزاج قائل سمجھ کر پائے حقارت سے ٹھکرانے پر مجبور ہو۔

والد عادی صالحہ لقیہا علیہا بنیات ابنائہا ادعیاء
 "اے دعویٰ کرنے والے حرامزادے ہیں جو اپنے دعووں پر
 روشن دلیلیں نہ قائم کریں۔"

شیعہ کے علاوہ کوئی دوسرا فرقہ نہ مشکل سے نظر آئے گا جس نے آداب
 و حقوق مناظرہ کی پوری پوری نگاہداشت کی ہو۔ وہ کبھی کسی بات کو سمجھنے
 کے لئے نکالنا جب تک اس کی دلیل کو ٹھونک بجا کر دیکھ نہیں لیتا ہے۔
 اور اپنے دشمنوں کی طرف کسی امر کو نہیں منسوب کرتا جب تک کہ ان کے مذہب
 کی خاص کتابوں میں اس کے وجود کا یقین نہیں کر لیتا وہ کسی خاص فرقہ کے
 معتقدات و نظریات کو دوسرے فرقے کے سر نہیں منڈھتا۔

چنانچہ فرقہ احمائیہ وحدثیہ کے بارہ میں شہر تانی ملل و نخل صوم میں
 کہتے ہیں کہ "نصاری کی سوافقت کر کے الوہیت کے بعض احکام مسیح میں
 ثابت کرتے ہیں، اس معنی کہ بروز قیامت مسیح ہی تمام خلق سے حساب
 لیں گے۔ اور تناسخ کے بھی اس طرح قائل ہیں کہ خداوند عالم نے تمام
 خلقت کے علاوہ اس عالم کے جہاں وہ ہے مسیح و تندرست
 عاقل و بالغ خلق کیا ہے۔"

اور فرقہ شہدہ جو بچلہ فرقہ سنیہ ہے اس کے بارے میں ص ۷۷
 میں تحریر کرتے ہیں کہ یہ لوگ خدا پر ملاستہ و مہافخہ کو جائز سمجھتے ہیں
 اور با اخلاص مسلمان خدا کا دنیا و آخرت میں مشاہدہ کرتے ہیں اور
 ان کا معبود صاحب جسم و گوشت و خون ہے اس کے اعضاء و جوارح
 مثلاً ہاتھ، پیر، سر، زبان، آنکھیں، کان سب ہیں اس کے گھونگھروالے

بال ہیں۔ اور اس کے علاوہ بہت سے ایسے صفات ثابت کرتے ہیں جن سے ذات باری سنہ دیر تر ہے۔

یہ فرقہ خدا کی صفاتی اس طرح بیان کرتا ہے کہ گویا وہ اس کو اچھی طرح دیکھ چکا ہے اور اس کے تمام حالات پر مطلع ہے چنانچہ کہتا ہے کہ خدا کی آنکھیں طوفانِ نوح کو یاد کر کے رونے سے آشوب کر آئی تھیں اور بلا لگنے خدا کی عبادت کی، اس فرقہ کے بعض لوگ تو اس حد تک پہنچ گئے کہ وہ یہ کہتے تھے راعفونی عن الفرج والحمیۃ۔
اسٹو فی عما عدا ذلک (مجھ سے خدا کی شرکاء اور ڈاڑھی کے متعلق تو سوال نہ کرو اور جو چاہا ہے پوچھ لو)
فرقہ کر اسے جو بھلہ فرقہ سنہ ہے اس کے متعلق شہرستانی لکھتے ہیں کہ وہ تجسیم کا قائل ہے اور خدا کیلئے انتقال، تحول، نزول سب جائز سمجھتا ہے۔ ان سب باتوں سے شیعہ آگاہ ہیں لیکن وہ ان تمام فرقوں کو علی العموم شیعوں یا معتزلی حضرات میں نہیں شمار کرتے ہیں۔ اور بعض فرقوں کے ان اعتقادات کو تمام شیعوں پر بار نہیں کرتے۔ اور حقیقتاً یہ فضیلت شیعوں کی ان ممیزات سے ہے جو قابلِ مدح و شکر ہے۔
بے کاش شہرستانی نے بھی اپنی کتاب میں یہی سلک اختیار کیا ہوتا اور نہ کم از کم فرقہ حقہ شیعہ میں تو اپنی طرف سے فاسد و بے بنیاد اعتقادات کا اضافہ نہ کیا ہوتا۔ لیکن انہیں انہیں نے خوب جی کھول کے شیعوں پر بے جا الزامات عائد کئے ہیں۔

چنانچہ شام ابن حکم اور شام بن سالم کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ وہ
 تجسیم کے قائل ہیں اور اول الذکر غالی ہو کر الوہیت علی کے قائل ہو گئے
 اور ثانی الذکر نے انبیاء پر عصیت کو جائز سمجھا ہے اور زرارہ بن
 اسبن نے علم خدا کے حادث ہونے میں شام بن حکم کی موافقت
 کی ہے اور اس میں اتنا اضافہ اور کر دیا کہ خدا کی قدرت و
 حیات اور جلہ اوصاف کو حادث مانا ہے اور وہ ان صفات
 کے خلق ہونے کے قبل نہ عالم تھا نہ فاور نہ حی و سمیع و بصیر
 تھا نہ مرید و متکلم اور موسیٰ طاق رضوان اللہ علیہ کے متعلق نقل
 کیا ہے کہ انھوں نے اس امر میں شام کی موافقت کی ہے
 کہ وہ امور کا اس وقت تک عالم نہیں ہوتا جب تک کہ وہ
 واقع نہ ہوں اور نہ وہ تجسیم کے بھی اس لئے قائل ہیں کہ
 خبر اس مضمون کی وارد ہوئی ہے کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت
 کی طرح خلق کیا ہے اور صدیق خبر ضروری ہے اس کے علاوہ
 اور بہت سے فاسد اقوال ہیں جن کو شہرستانی نے ان
 اعلام کی طرف منسوب ہے جنہوں نے کام اخبار الوہیت عصمت
 و طہارت سے اخذ کئے ہیں جس کا سلسلہ رسالہ کتاب، جبریل،
 لوح، و قلم، اور حضرت باری عزائمہ تک پہنچا ہے۔
 لیکن خود شہرستانی شام بن حکم سے الزام تجسیم عائد کرتے
 وقت فی الجملہ حق کی طرف ایلٹے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ شام
 بن حکم اصول میں بلند پایہ رکھتے ہیں انہوں نے جو الزامات

معتزلہ پر عائد کئے ہیں ان سے غافل نہ رہنا چاہئے۔
 جب شہر سانی کی نظر میں ہشام اس عیندہ یار میں تو یہ کیونکر جائز
 ہوا کہ قطعی طور سے یہ کہہ دیں کہ وہ الوہیت علی کے قائل ہیں جو ہم
 ہشام کے بدرجہا پست درجہ والے شخص کی طرف بھی
 نہیں منسوب کر سکتے۔

ہشام بن حکم امام جعفر صادق علیہ السلام کے اکابر صحابہ میں
 تھے اور فقہ خلیل القدر، قوی الحجۃ صاحب الرائے شہید الاہل
 کثیر العلم تھے، انہوں نے بہت سے احادیث کی روایت کی ہے اولاً
 امام جعفر صادق کے صحابی رہے اور اس کے بعد امام موسیٰ کاظم کے
 عہد میں ان کے صحابہ میں تھے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے
 نظر میں ان کی اتنی منزلت تھی جو دوسرے اصحاب کو جو ان سے
 سن میں بزرگ اور امام کے قدیم خدمت گزار تھے حاصل
 نہ ہوئی۔

ہم ذیل میں بعض روایات ایسے ذکر کرتے ہیں جس سے
 ہشام کی عظمت و جلالت کی سچی تصویر ناظرین کے پیش نظر
 ہوجائے گی۔ مروی ہے کہ یہ اس وقت جبکہ بہت کم سن
 تھے مقام نبی میں خدمت امام جعفر صادق میں حاضر ہوئے
 اس وقت آپ کی بارگاہ میں شیوخ شعبہ مثلاً حمران،
 قیس الاحمر و نس بن یعقوب و ابو جعفر احول وغیرہ حاضر تھے
 امام نے ہشام کو ان سب پر مقدم فرمایا حالانکہ حاضرین میں

سب اصحاب ان سے سن میں بزرگ تھے جب حضرت نے
 ملاحظہ فرمایا کہ آپ کا مشام کے ساتھ یہ برتاؤ دوسرے
 اصحاب پر گراں گذرا ہے تو ارشاد فرمانا شروع کیا
 "شام اپنے دل زبان ساتھ سے ہمارے مددگار ہیں۔
 ایک مرتبہ شام نے اسمائے باری اور ان کے اختلاقیات
 کو دریافت کیا آپ نے اس کا جواب دے کر ارشاد فرمایا
 کہ مشام کا تم خوب اچھی طرح سمجھ گئے اور اس سے ہمارے
 ان دشمنوں کو جو خدا میں الکا دکرتے ہیں دفع کرو گے شام
 نے عرض کی "جی ہاں" آپ نے فرمایا خدا تم کو اس سے
 نفع دے اور ثابت قدم رکھے شام کہتے ہیں خدا کی قسم
 میں سترہ نوید میں اب تک کسی سے مجبور نہیں ہوا۔
 شام کے مراتب دیکھنے کے بعد کونکر جائز ہے کہ ہم ان کی
 نسبت ان بے بنیاد الزامات کو قبول کر لیں جو شہرستانی نے
 ان پر عائد کئے ہیں۔

نیز معلوم شہرستانی نے کس کتاب کی طرف استناد کر کے
 مشام اور دیگر اصحاب امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف ان
 امور کی نسبت دی ہے حالانکہ کتب شیعہ میں جو بکثرت اور
 شہور ہیں ان کا نشان تک نہیں کیا یہ ممکن ہے کہ شہرستانی ان باتوں
 پر مطلع ہوں گے جن سے شیعہ غافل ہوں، باوجودیکہ وہ علم رجال میں
 نہایت تجربہ سے کام لیتے ہیں۔ یہ گزشتہ نہیں ممکن ہو سکتا کہ وہ

اس کی گھاٹیوں سے خوب واقف ہوتے ہیں اور گھردارے گھر کے بھید خوب جانتے ہیں بغرض محال اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ شہرستانی کو رجال شیعہ کے متعلق تشیعوں سے زیادہ اطلاع حاصل ہے تو یہ کچھ نیکر تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو بھی اپنے اصحاب پر اتنی اطلاع نہ تھی جتنی شہرستانی کو ہے۔

شہرستانی سے ہم خودی نقل کر چکے ہیں کہ امام جعفر صادق نے رئیس خطابہ سے اس کے اعتقاد کی وجہ سے برائت کی اور اس پر لعنت کی اور اپنے اصحاب کو بھی مطلع کر دیا اگر شہرستانی نے جہال الزامات ہشامین زرارہ اور یونس طاق رضوان اللہ علیہم برعائد کے ہیں درست ہیں تو امام جعفر صادق نے ان سے بھی اسی طرح برائت کیوں نہ کی جس طرح اور لوگوں سے برائت کی۔

شہرستانی نے چونکہ اس حدیث نبوی کو جس میں مسلمانوں کے ۳۷ فرقے بیان کئے گئے ہیں پیش نظر رکھ کر فرقوں کو ذکر کرنا شروع کیا ہے اس لئے انھوں نے بعض فرقے اپنے دل سے بھی گڑھے کر اضافہ کر دیے ہیں تاکہ نصاب مذکور پر اس کو کتاب تمام ہو جائے اور اس میں کسی قسم کا نقص باقی نہ رہے جیسا نسخہ اسی غرض کو مد نظر رکھ کر انھوں نے اپنی کتاب میں ہشامیہ و لغمانیہ کو بڑھا دیا ہے ورنہ خدا اور رسول پر مسنین سب جانتے ہیں کہ ان فرقوں کا نام و نشان تک نہیں، شیعوں میں انھوں نے جن فرقوں کا اضافہ کیا ہے ان میں بھی یہی راز ہے۔ شہرستانی کی طرح دیگر حضرات اہلسنت نے

بھی اسی قسم کی تھوڑی نسبتیں دی ہیں اگر ہم ان سب کو ذکر کر کے
 رد کریں تو کلام طوالاتی ہو جائے گا۔ شہرستانی کا یہ طرز عمل ذکر
 کرنے سے یہ مقصود تھا کہ ناظرین فی الجملہ ان مصائب پر مطلع
 ہو جائیں جو شعبوں پر سفیوں کے ہاتھوں نازل ہوئے۔

فرقہ شیعہ کے اسما و

اس فرقہ کے حذ نام شہور ہیں، اثنا عشریہ، امامیہ جعفریہ، جن کے الفاظ مختلف ہیں مراد ایک ہی ہے۔

شیعوں کو اثنا عشری اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بارہ اماموں کے قائل
 اثنا عشریہ اور ان کی امامت کو مخصوص سمجھتے ہیں۔ امام اثنا عشری علی المرتضیٰ
 یہ ہیں۔ اسرار المؤمنین علی ابن ابی طالب، امام حسن، امام حسین، امام علی ابن الحسین
 زین العابدین، امام محمد باقر، امام محمد جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام علی رضا،
 امام محمد تقی، امام علی نقی، امام حسن عسکری امام مهدی صاحب الامر
 فرقہ شیعہ کو امامیہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ خدا پر نصب امام واجب جانتے
 امامیہ ہیں اور امامت اہل دین میں شمار کرتے ہیں۔ نہ اسم اگرچہ تمام ان فرقوں
 کو شامل ہیں جو نصب امام کو واجب خیال کرتے ہیں اگر وہ اثنا عشری نہ بھی
 ہوں، لیکن فرقہ اثنا عشریہ کا خاص نام ہو گیا ہے اور اطلاق کے وقت اسی کا
 تبادر ہوتا ہے۔

شیعوں کو امام جعفر صادق کی طرف منسوب کر کے نام رکھا گیا ہے
 جعفریہ اس کی وجہ تسمیہ یہ نہیں کہ وہ صرف آپ تک امامت کے قائل ہیں
 بلکہ جعفریہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ حضرت کے زمانہ میں یہ مذہب اچھی طرح
 ظاہر اور ترقی پذیر ہو گیا تھا، کیونکہ سابق کے ائمہ کے زمانہ میں اس نے
 نہایت خوف و نہراس کے عالم میں زندگی بسر کی، امام جعفر صادق کے عہد مبارک

میں زمانہ نے اتنی مہلت دے دی کہ اس کے نظریات و اعتقادات ظاہر
کئے جائیں، آپ کے تلامذہ کثیر تعداد میں ہوئے جس کی وجہ سے آپ کا علم
مختلف بلاد اسلامیہ میں منتشر ہوا اور اس فرقہ نے اچھی خاصی شہرت حاصل
کر لی اور اب تک یہ حقیر بہ کے نام سے مشہور ہے

فرقہ اثنا عشریہ کو متاثر بھی کہتے ہیں لیکن یہ لقب جدید ہے اور
تقریباً ہزارہی قبل حادث ہوا ہے یہ فرقہ صرف سوریہ یا جبل عامل اور
جبلک میں اس نام سے مشہور ہے اور دیگر بلاد اسلامیہ میں مذکور و سابق
اسماء مشہور ہیں۔ لفظ متاثرہ کی توجیہ کوئی معتول نہیں معلوم ہوتی صرف
اثنا معلوم ہو سکا کہ اکتوں کے لفظ (توئی لے) اتخذویں سے خلاف قیاس
مشتق کیلئے اور از روئے قاعدہ متولیہ کہتا چاہیے، یا شاید متاثر لفظ
توئی یعنی تنایع سے مشتق ہو۔

تمام شد

(نوٹ)

رسالہ ہذا ۳ کاتب حضرات کا لکھا ہوا ہے ناظرین کو
اس لئے افسر خط میں تبدیلی محسوس ہوگی جس کیلئے
اوارہ تجویز ہے۔ سکرٹری غفرانیہ دینی لکھنؤ
۲۲ اکتوبر ۱۹۹۳ء

فہرست مرطبہ و شفا غفرانیہ دینی مشن لکھنؤ رجبہ

- ۱۔ انیس الذاکرین :- بہترین مسودات جناب اشرف العلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب مجتہد ۔
- ۲۔ چودہ سہائے : مولفہ جناب سلطان العلماء مولانا سید قائم ہدی صاحب مجتہد و سینیر امام شاہی مسجد آصفی و وکیل آیتہ اللہ العظمیٰ آغا گلپایگانی بدظلمہ
- ۳۔ مسائل زکوٰۃ و خمس قرآن و حدیث کی روشنی میں :- مولفہ سرکار سلطان العلماء مولانا سید قائم ہدی صاحب قبلہ مجتہد العصر وکیل آیتہ اللہ العظمیٰ آغا گلپایگانی و صدر غفرانیہ دینی مشن لکھنؤ
- ۴۔ ہماری نمازیں : مرتبہ سرکار سلطان العلماء وکیل آیتہ اللہ گلپایگانی و صدر مشن و سینیر امام شاہی مسجد آصفی لکھنؤ ۔
- ۵۔ تبرکات کاتاریخی جائزہ : از علامہ ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسن صاحب قبلہ کامون پوری مرحوم ۔
- ۶۔ کہ بلا میں خواتین کے مجاہدات از جناب سید اختر حسین صاحب نلسٹ
- ۷۔ تنویر غم جناب اشرف العلماء کے تارکخوار نوحوں کا مجموعہ
- ۸۔ تصویر عزاء : از جناب سید حماد علی صاحب نقوی نصیر آبادی
- ۹۔ میری غزلوں میں آثارِ کربلا :- از جناب سید قاسم شبیر رضا نقوی نصیر آبادی

۱۰۔ سکینہ بنت الحسین: از جناب لسان الملتہ مرحوم

۱۱۔ بکاء واعظ: از جناب اشرف العلام مرحوم

۱۲۔ ندائے فقیہ: از جناب سلطان العلام مولانا سید قائم تہدی صاحب قبلہ مجتہد وکیل آیتہ اللہ کلپائیگانہ مدظلہ

۱۳۔ زائرین عقیات عالیات کے مراتب: از سرکار سلطان العلام مدظلہ

۱۴۔ معجزات امیر المومنین: از جناب محمد سرور صاحب زید پوری

۱۵۔ عباداری و تعزیر داری باعث اجر و ثواب ہے۔ از مولانا عین الحیدر صاحب حنفی۔

۱۶۔ الشیعہ: مولفہ علامہ محمد صادق صدر کاظمینی۔

۱۷۔ مواعظ سلطانیہ: از سرکار سلطان العلام مدظلہ العالی۔

:- نوٹ :-

۱۔ لغایت ۱۹ اب زمار کٹ میں ہیں نہ ہمارے آفس میں

نئے مطبوعات میں:

۱۵ ایک روپیہ میں اور بارہ روپیے میں۔

علامہ محمول ڈاک میں کی جلدی کیجئے ورنہ تاخیر میں ان کتابوں کا دستیاب ہونا بھی مشکل ہو جائے گا۔ فقط:

بینبر غفرانیہ دینی مشن

لنگر خانہ حسین آباد لکھنؤ ۳

(یوپی)

غفرانیہ دینی مشن کی سترھویں خدمت

الشیخ

مؤلف

علامہ محقق سید محمد صادق صدر کاظمی

مترجم

تاج الادب مولانا حسین نواب صاحب قبلہ صدر فاضل

جنرل سکریٹری

آل انڈیا غفرانیہ دینی مشن حیدرآباد شائع کیا

قیمت روپیہ علاوہ محسولہ اک 12/- R

تعارف

دور حاضر میں اسلام کے خلاف عموماً اور فرقہ شیعہ کے خصوصاً مخالفین کی جو زبردست کوششیں جاری ہیں اگر ان کا جو امر دی سے مقابلہ کرتے ہوئے دفاع کی پوزیشن پر تدابیر نہ اختیار کی جائیں تو عوام کے راہ حق سے بہک جانے کا اندیشہ ہے مخالفین کی یہ مساعی دنیا کے کسی خاص گوشہ اب محدود نہیں بلکہ مثل ہندوستان بلقاع عربیہ میں بھی روزانہ شیعوں کے قیام پر نا روا حملے ہوتے رہتے ہیں نیز اقوام عالم کے دلوں میں اسکے خلاف جذبات نفرت پیدا کرنے کے لیے مذہب شیعہ کی مسخ شدہ اور جھٹاک تصویریں پیش کی جایا کرتی ہیں چنانچہ دو سال قبل مصر میں پروفیسر افقی نے اپنی کتاب تحت راۃ القرآن اور احمد امین پروفیسر مصر یونیورسٹی نے بحوالہ اسلام تالیف کر کے شیعوں کو بری طرح بدنام کرنا چاہا تھا ان کتابوں

شائع ہونے کے بعد عراق بھر کے شیعوں میں بھینسی پھیل گئی اور وہاں کے مختلف شہروں میں حمایت مذہب شیعوہ اور مخالفین کے حملوں کی روکا جوش پیدا ہوا تا صطل سبیتی نے ایک کتاب تحت رائے الحق جواباً لکھی جو طبع ہونے کے بعد ہی حکومت عراق کی طرف سے ضبط ہو کر سپرد آتش کر دی گئی اور اس کے منظر عام پر آنے کی نوبت نہ آ سکی۔

ہمارے محترم دوست علامہ الحق سید محمد صادق صدر نے بھی فریضہ مذہبیہ کا احساس کرتے ہوئے کتاب الشیعہ تالیف کی جس میں فرقہ حقہ شیعوہ کے زردیں عقائد اور اس کی پیش بہا تعلیمات کا سنجیدہ عنوان سے ذکر کرتے ہوئے مخالفین کے اعتراضات کا عموماً اور مولف فخر الاسلام وغیرہ کے ہفوات کا خصوصاً نہایت محققانہ جواب دیتے ہوئے فرقہ شیعوہ کو اس کی اصلی شکل و صورت میں پیش کر کے ایک قابل شکر یہ خدمت انجام دی اتفاق سے اس کتاب کے قانون حکومت کی زرد سے محفوظ رہ کر شائع ہو سکی بھی نوبت آگئی، اُس زمانہ میں شیعیان عراق کا جوش مذہبی اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ ایک ماد کے اندر اس کے ایک ہزار نسخے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے اور درحقیقت یہ کتاب بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایسے ہی اخیر مقدم کی مستحق تھی۔

میرے قیام نجف اشرف کے چند ماہ بعد علامہ موصوف نے کتاب الشیعہ مجھے عنایت فرما کر یہ خواہش فرمائی کہ میں اس کا اردو زبان میں ترجمہ کر کے ان کے خیالات اہل ہند تک پہنچا دوں میں نے اس وقت

رسمی اقرار کر کے یہ فیصلہ کیا کہ اگر میں مطالعہ کے بعد اسے اہل ہند کے لیے مفید اور دل چرپ پاؤں گا تو اس خدمت سے دریغ نہ کروں گا چنانچہ مطالعہ کے بعد میں نے کتاب مذکور کو مذاق ہند کے مطابق پایا، میں اگر یہ نہ کہوں کہ یہ کتاب اپنے صفحات میں بالکل جدید مطالب کو لیے ہوئے ہے تو یہ ضرور عرض کروں گا کہ شیعوں کے اہم عقائد و نظریات اور ان کے مذہب کے متعلق مفید معلومات کی حامل ہونے کے ساتھ اپنی نوعیت کے لحاظ سے جدید ہے میں اپنی فرصت کے ایام میں وقتاً فوقتاً اس کا ترجمہ کرتا رہا اور چند دن میں اس خدمت کو انجام تک پہنچا سکا۔

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب عبد الشکور ثناء اللہ امرتسری اور ان کے متبعین کے بیجا الزامات کو دفع کرنے کا بہترین آلہ اردو وال مطالعہ پسند حضرات کے لیے مفید ذخیرہ معلومات طالبین حق کے لیے سرچشمہ ہدایت ثابت ہوگی کیونکہ اس میں اجماعی حیثیت سے جن مباحث کا ذکر کیا گیا ہے ان کو دیکھنے کے بعد منصف مطالعہ کنندہ مذہب شیعوں کی حقیقت اور اس کے مخالفین کی باطل پرستی کا اچھی طرح یقین پیدا کر سکتا ہے۔

آخر میں آنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ کسی زبان سے دوسری زبان میں اس طرح ترجمہ کرنا کہ دونوں زبانوں کے جملہ خصوصیات ملحوظ رہیں اگر بہت دشوار نہ کہا جائے تو آسان بھی نہیں ہے میں نے حتی الامکان عبارات کتاب کے جملہ خصائص کو مد نظر رکھتے ہوئے سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے اور فریضہ ترجمہ سے ایک حد تک غافل نہیں

ہوا ہوں لیکن بعض ایسے مقامات میں جس کا بعینہ ترجمہ کرنے سے اردو عبارت بھونڈی معلوم ہوتی جائزہ تقدیم و تاخیر اور معمولی تصرفات و حذف مرادفات سے بھی کام لیا ہے۔

مجھے یسرت ہے اس توفیق حاصل ہونے پر کہ میری فرصت کا بعض حصہ خدمت دین میں صرف ہو سکا امید ہے کہ افراد قوم میری اس حقیر خدمت کو بنظر استحسان ملاحظہ فرمائیں گے۔

وعین الرضا عن کل عیب کلیۃً کما ان عین السخط تبدی المساویا
حررہ الآثم

محسن نواب رضوی نزدیک نجف اشرف
شوال ۱۳۵۲ھ

نوٹ: اس عربی رسالہ کا ترجمہ جناب مولانا سید محسن نواب صاحب قبلہ نے نجف اشرف میں اپنے زمانہ طالب علمی میں ۱۳۳۵ھ میں کیا تھا جو عرصہ ہوا ایک مرتبہ شائع ہوا تھا اب اس کا دوسرا ایڈیشن ہم شائع کر رہے ہیں۔

جنرل سکریٹری غفرانیہ دینی مشن لکھنؤ

مقدمہ

الحمد لله رب العالمین والصلوة علی خیر خلقہ محمد و آلہ
الطیبین الطاهرین۔

تاریخ انسانی ترقی کا آئینہ ہے اور مورخ اس آئینہ کا مالک ہے جو تمام ان اثار و حوادث سے ہم کو مطلع کرتا ہے جس کی صورت کشی اس کی تاریخ کے صفحات نے کی ہے۔ مورخ جس طبقہ کی تاریخ سے بحث کرتا ہے اس کے مبلغ عقول کی بہترین تصویر اور ان کے کیر کڑ کی نمایاں مثال پیش کرتا ہے۔ تاریخ ہی ایک ایسا بہترین آلہ ہے جو ہم سے مختلف اہم و شہوب علی و اقوام کی حالت بیان کر کے صد ہا برس کے گزرے ہوئے واقعات کو دہراتا ہے۔ ہر کتب تاریخیہ کی ورق گردانی سے اقوام عالم کی ترقی

اور سنی، ادبی، دینی، اور سیاسی حالات سے آگاہی ہوتی ہے۔
 اگر مورخ امانت داری اور سچائی کے ساتھ اپنے قلم کو آلائش
 قصبات سے پاک کر کے بلا کم و کاست واقعات تحریر کرے تو کوئی
 شے تاریخ سے زیادہ مفید نہیں نظر آتی یہ امر قابل افسوس ہے کہ
 زبان ماضی میں مورخین کے اذہان و افکار پر چند ایسی قوتیں قابض
 تھیں جنہوں نے ان کو واقعات میں آمیزش کرنے پر مجبور
 کر دیا، پھانسیجے

(۱) دینی طرفدار (تصب) نے حق کے چہرہ پر نقاب ڈال دی تھی
 جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مورخ کسی قضیہ کو اس وقت تک ذکر نہیں کرتا جب تک
 کہ وہ اس کی رائے کے مطابق و موافق اور اس کے مذہب کا مؤید نہ ہو۔
 وہ صحت اسناد پر نظر نہیں کرتا بلکہ اس کا مستطیح نظریہ ہوتا ہے کہ واقعہ اس کے
 میل طبعی کے موافق ہو، اگر مخالف واقعہ ہیں اس کو اپنا مقصود نہیں ملتا
 تو قصوں کے گڑھنے اور احادیث کے وضع کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔
 (۲) بنی امیہ اور بنی عباس نے جب یہ دیکھا کہ وہ خاندانہ رسالت
 (بنی ہاشم) کے مانند ایسے فضائل سے آراستہ نہیں ہیں جو ان کو انظار مردم
 میں وقیع بنا سکیں تو انھوں نے لالچی شاعروں اور مذہب پرست علماء کو
 نزد و جواہر سے مالا مال کر کے اپنی مدح اور اپنے دوستوں اور پیرو
 کے فضائل میں احادیث و وضع کرنے پر آمادہ کیا تاکہ عوام الناس
 اس پر ایمان لے آئیں اور یہ اپنے دلوں کے ان فاسد اعتقادات

کو جنہیں اسلامی تعلیم ٹھکراتی ہے پوشیدہ کر سکیں۔

(۳) تاریخ میں غلط و مزج کا، بڑا سبب و قانع و حواد
کو محفوظ کرنے کے لیے کسی کافی ذریعہ کا نہ ہونا تھا۔ آج کل کی طر
مطالع نہ تھے جو واقعات کو مقید کر لیا کریں۔ بلکہ زمان رسول میں
تدوین کا ردواج ہی نہ تھا، اسی وجہ سے لوگ اپنے حافظوں پر
اعتماد کرنے پر مجبور تھے اس طریقہ میں جو مصیبت و مشقت یا اشتباہ
غلط و غلط ہو سکتا ہے وہ مخفی نہیں۔

مشاہدہ ہمارے قول پر شاہد ہے کہ چند اشخاص ایک واقعہ کو دیکھتے
ہیں اس کے بعد ہر ایک اسے کسی ناواقف سے نقل کرتا ہے تقریر
سب کا طریق نقل جداگانہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ نقل در نقل ہو کر ہر
ایک نقل بجائے خود ایک مستقل واقعہ ہو جاتی ہے جسے اصل سے
زیادہ لگاؤ نہیں ہوتا۔

انہیں عوامل و موثرات نے بروقت تاریخ کو مٹا کر اس کے افق کو
رو آلود کر دیا جس کی وجہ سے بحث کرنے والے کے لیے راہ تحقیق میں
ہو گئی اور وہ صحیح و سقیم میں مشکل سے تمیز کر سکتا ہے میں اپنے کو
مبالغہ کرتے ہوئے نہ خیال کروں گا اگر یہ کہوں کہ قدیم اسلام میں تاریخ
کو اگر ہم چھپائیں یا اسے نقد کی کسوٹی پر کریں تو ہمارے پاس بہت
کم مواد باقی رہ جائے گا۔

یہ دیکھنا اس مصیبت کو کم کر دیتا ہے کہ بعض غیر تمند بحث

کرنے والوں کو توجہ ہوئی اور انھوں نے حدیث و تاریخ کے نقد کرنے کا بار اپنے کاندھوں پر لے لیا۔ اور ہمارے لیے بحث و تنقید کی راہیں کھول کر ایسے قواعد کی تاسیس کر گئے جس کے ذریعہ سے ہم صحیح و سقیم، قوی و ضعیف، میں آسانی تمیز کر سکتے ہیں۔

یہ تاریخ کی حالت زمانہ گذشتہ کی ہے لیکن فی زمانہ کوئی سبب ایسا نظر نہیں آتا جو اس قسم کی فرو گذاشتوں کا باعث کہا جاسکے مطالب بکثرت ہیں حقائق بھی پردہ خفا میں نہیں جس طرح انسان تاریکی اور ظلم و جور کے زمانہ سے نکل کر روشن خیالی کے عصر تک پہنچا ہے اسی طرح وہ آزادی کی بو بھی سونگھ رہا ہے۔ اس کی فکر و رائے کو حریت نصیب ہو گئی، اب وہ ان حالات کو ظاہر کر سکتا ہے جو اس کے ضمیر کے مطابق ہوں اور حسب منشاء بغیر کسی جاہر کی روک ٹوک کے مطابق واقع حوادث کے لکھنے کے لیے اپنے قلم کو آزادی سے گردش دینے پر قادر ہے، مگر اس کے برعکس تم دورِ حاضر کو ماضی سے بہت مشابہ پاؤ گے تم آج کل کے مؤلفین و کاتبین کو دیکھو گے کہ یہ بھی اسی طریقہ کے سالک ہیں جو ان سے صد ہا برس قبل کے مصنفین کا مسلک تھا، ان کے افکار بھی اسلاف کے خیالات سے ملتے جلتے نظر آئیں گے گویا گذشتہ مؤلفین کی روحوں نے ان کے جسم میں حلول کر کے ان کی فکروں کو بھی جمود کی زنجیروں

سے جکڑ دیا مع ذالک یہ اپنے کو قید و بند سے آزاد شمار کرتے ہیں۔ بلکہ تمہیں تعجب ہوگا جب یہ سنو گے کہ آج کل کے مولف اپنے اسلاف سے بھی بڑھ کر کتنے کیونکہ وہ آئے دن ایسے رکیک نظریات پیش کرتے نظر آتے ہیں جو اُس عصر ظلماتی کے مستصحب ترین افراد کے ذہن میں نہ آئے تھے۔

یہ اپنے ذہریلے نظریات و نتائج افکار کو علم و فلسفہ کے رنگ میں رنگ کر اُس طرح شائع کرتے ہیں کہ وہ ایسے تاریخی حقائق ہیں جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں جسے لکھنے والے نے ہر قسم کی جانبداری سے علیحدہ ہو کر تحریر کیا ہے اور گویا یہ ذہریلے قضایا ایسے مسلمات ہیں جس پر تمام اہل حل و عقد متفق، اور جس کے سامنے زمانہ بھر کے عقلا سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔

راغبی اپنی کتاب (تحت رایت القرآن) میں شیعوں کو کافر کہتا ہے اور طحا حسین بھی اسی کے ڈھیرے پر چلتا ہوا نظر آتا ہے۔ احمد امین (لکچرار مہر یونیورسٹی) کو بھی اسی طریق پر گامزن پاؤ گے۔ لیکن آخر الذکر کا اسلوب اُن لوگوں سے فی الجملہ جدا ہے جو چنانچہ وہ مذہب شیعوں کے متعلق اپنے نظریات فلسفہ جدید کے نام سے پیش کرتا ہے اس نے اپنی کتاب فخر الاسلام، میں شیعوں کے خلاف ان الفاظ میں زہرا کلا ہے۔
 "والحق ان التشيع كان عادى يلجاء اليه كل من اراد هدم

الاسلام لعداوة اوحده ومن كان يريد ادخاله تعالى ابا قد
من يهودية ونصرانية زرادشتية و هندية ومن كان
يريد استقلال بلاده والخروج على ملكه فاليهودية والنصرانية
بالشيع بالقول في الرحبة وقال ان النار محرم على الشيعة
الا قليلا كما قال اليهودي تمسنا النار الا اياما معدودة رات
والنصرانية ظهرت في الشيع في قول بوضهم ان نسبة الامام
ان الله كنسبة المسيح اليه وقالوا ان اللاهوت اتحد بالتاسوت
في الامام وان النبوة والامامة لا تنقطع ابدا فمن اتحد به
اللاهوت فهو في تحت الشيع ظهر القول بتناسخ الارواح
وتجسيم الله والحلول ونحو ذلك من الاقوال التي كانت معروفة
عند البراهمة والفلاسفة والمجوس قبل الاسلام.

يعني حق یہ ہے کہ تشیع ہر اس شخص کے لیے لمجاو مادی تھا
جو یا کسی عداوت وکینہ کی بنا پر اسلام کو ڈھانا چاہتا تھا یا جس
کا مقصد اپنے آبا و اجداد کی یہودی نصرانی زردشتی یا ہندی تعلیمات
کو اسلام میں داخل کرنا ہوتا تھا یا جس نے اپنا مصلح نظر اپنے
بلاد کا استقلال اور مملکت اسلام پر خروج قرار دیا ہو۔ چنانچہ مسئلہ
رجعت میں یہودیت تشیع کے پردہ میں ظاہر ہوئی، نیز شیعوں کہتے
ہیں کہ علاوہ چند تھوڑے دلوں کے جہنم شیعوں پر حرام ہے۔
اسی طرح یہودیوں کا قول ہے تمسنا النار الا اياما معدودات

نصرانیت تیشع میں یوں ظاہر ہوئی کہ بعض شیعوہ قائل ہیں کہ امام
کی نسبت خدا سے وہی ہے جو مسیح بن مریم کی، اور کہتے ہیں
کہ امام میں لاہوت و ناسوت دونوں متحد ہو گئے اور یہ کہ نبوت
و رسالت کبھی منقطع نہ ہوگی، چنانچہ جس کے ساتھ لاہوت متحی
ہو جائے وہ نبی ہے نیز مذہب شیعہ میں تنازعہ اربعہ ادواگون
بحسب خدا اور حلول کا قول بھی موجود ہے اس کے علاوہ اور
بہت ایسے اقوال ہیں جو قبل اسلام برہمنوں، فلسفیوں اور مجوسیوں
میں معروف تھے۔

اگر ہم احمد آئین اور اس کے ہم خیال افراد کو اس قسم کے فاسد
مقولے اور بے بنیاد الزامات کی نشر و اشاعت کرتے دیکھیں تو کوئی
تعجب کی بات نہیں جبکہ ان کے اسلاف انھیں ایسی راہ بتلا گئے
ہیں جس کی تاسیس محض مذہب شیعہ اور اس کے معتقدات کو فنا
کرنے کے لیے کی گئی تھی لیکن "خدا اپنے نور کو تمام ہی کر کے چھوڑتا
ہے مشرکین کو جتنا بھی ناگوار گذرے۔"

ان کے اکابر علماء میں سے شیخ نوح حنفی اپنی کتاب
الفتاویٰ الحامدیہ کے باب الرد والتعزیر میں فرقہ حقہ کی
ابتہا لوں گہرا نشانہ فرماتے ہیں۔

"اعلم اسعدک اللہ ان ہولاء (ای الشیعہ) الکفرۃ والبغیۃ
فجرۃ جمعوہ بین اصناف الکفر والبغی والعناد والواع المنہ قوۃ

لی کا الحاد میں توقف فی کفر و الحاد ہم و د جواب قتالہم
 و جو ان تسلیم نہ ہو کافر مشہد الخ۔
 یعنی تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کافروں، باغیوں، فاجروں
 (یعنی شیعوں) کا گروہ اصناف کفر و بغی و عناد اور انواع، زندقہ
 و الحاد کا جامع ہے، جو ان کو کافر و ملحد کہنے، ان سے قتال کو واجب
 اور ان کے قتل کو جائز جاننے میں توقف کرے وہ بھی انہیں
 کی طرح کافر ہے۔

اس نجس فتوے کے جاری ہونے کا یہ اثر ہوا کہ حلب میں
 شیعوں کا مال و اسباب لوٹ کر ان کی عورتوں کو اسیر کر لیا گیا اور
 ان کے اسٹی ہزار نفوس بے گناہ تلوار کے گھاٹ اُتار دیے گئے
 ان لوگوں کا جرم اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ وہ اہلبیت طاہرین
 صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہم کو دوست رکھتے تھے جن کی موت کو
 خدائے بزرگ و برترم نے اپنے کلام عزیز میں واجب کیا ہے۔ یہ
 ان مصائبِ آلام کا ایک ادنیٰ حصہ تھا جو فرقہ شیعہ نے ناصبیوں
 کے ہاتھوں جھیلے اور یہ کلمات جو میں نے پیش کئے ہیں ان ہفتوں
 ہدیانات کا عشر عشر بھی نہ تھے جو اس گروہ نے مذہب شیعہ کے
 بارے میں یکے ہیں، قوم شیعہ ان امور سے غافل نہ تھی بلکہ وہ
 زمانہ اور مہلت کی تلاش میں تھی اس نے بعض اوقات
 متقدمین کے سخت سے سخت کلمات کو برداشت کر لیا۔

اور تقیہ کی سپر لے کر اپنے کو قتل و غارت ہونے سے بہت کچھ بچا لیا اسے سکوت کر کے اس زمانہ کے جابر و ظالم حکومت کے تشدد و تعدی سے نجات حاصل کرنا تھی۔

ہمیں یہ خیال نہ تھا کہ چودھویں صدی اور عصر نو میں بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جو صد ہا برس کے روندے ہوئے خیالات زندہ کریں گی۔

مجھے بہت زیادہ فکر تھی کہ مذہب شیعہ کے متعلق کوئی ایسی کتاب لکھوں جس میں فری شعور جماعت کو اس کی بلند منزلت اور اس کے عقائد اور تمام ان امور سے جو اس کی دینی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں آگاہ کروں اور اس بارہ میں ایسا طریقہ اختیار کروں کہ ناظر بصیر بہت آسانی سے مذہب شیعہ کی حقیقت اور اس کے مقصد کی صورت کو جان لے میں جب کبھی ایسی باتوں کو جو مذہب شیعہ کی منزلت کے مناسب نہ تھیں پڑھتا یا سنتا یا ایسی جھوٹی نسبتیں اس کی طرف دیکھتا تھا جو اس کی حسن شہرت کو مشتبہ کرنے کا باعث تھیں تو یہ فکر روز بروز بڑھتی جاتی تھی پھر سوچ میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ میں اس موضوع کو اٹھاؤں چاہے مجھے کتنے ہی تعب و مشقت کا متحمل ہونا پڑے یہاں تک کہ بھگواند اب یہ کتاب شیعوں کی رائے اور مقصدات کی سچی تصویر تیار ہو گئی۔

میں نے اس کتاب میں اسی طرح بحث کی ہے جو ایک دیاندار

بحث کنندہ کی شان ہونا چاہیے اور بحمد اللہ میں ایک ناخن بھر بھی حق کی سیدھی راہ سے نہیں ہٹا ہوں میں نے اپنے کاندھے پر یہ بوجھ کتب شیعہ کی بلا استعانت اٹھایا ہے تاکہ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ فرقہ شیعہ حقیقت کے اس قدر بلند درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ وہ اپنے دشمن کی معتبر کتابوں سے اپنی صحت پر ہزاروں شواہد پیش کر سکتا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ فضیلت فرقہ شیعہ کے ان بہترین میزات میں سے ہے جنہیں نہایت اکبار و اعجاب کے ساتھ ذکر کرنا چاہیے۔

میں اس کتاب کو ایسی حالت میں تالیف کر رہا ہوں کہ ہر قسم کی دینی و عنصری جانب داری سے خالی ہوں لیکن کتاب کا مطالعہ کرنے والا مجھے بے شک ایک شیعہ عربی پائے گا اور اسے کتاب کی ہر فصل میں روح شیعیت اپنے روشن ترین مظاہرات کے ساتھ جلوہ گر نظر آئے گی۔ اگر بحث کرنے والے کو میری کتاب کے مباحث میں ایسے امور نظر آئیں جو میری رائے کے معارضہ اور میرے مذہب کے مؤید ہوں تو وہ ہرگز ہرگز میل طبع یا تعصب کا نتیجہ نہ ہوں گے میں ان دونوں کو بہت دشمن رکھتا ہوں بلکہ وہ تصویر حق ہو گئی جو میرے لیے ظاہر ہوئی اور میں نے اس کا اتباع کیا و الحق الحق ان نتیجہ یہ بھی مخفی نہ رہنا چاہیے کہ میری کتاب میں بعض ایسے حقائق ہیں جنکی اکثر طبائع متحمل نہ ہو سکیں گی لیکن مجھے احمد امین اور ان کے امثال نے نہیں

ظاہر کرنے پر مجبور کیا مطالعہ کرنے والا ان کے عبارات پڑھنے
 کے بعد مجھے معذور سمجھے گا۔ نیز پوری صراحت کے ساتھ ہم یہ بھی کہہ دینا
 چاہتے ہیں کہ اگر احمد امین یا اس کے ہم خیال افراد کی رفتار نہ بدلی
 اور وہ اپنی سابق روش پر باقی رہے تو ہم بھی بجائے مدافعت کے
 محاربہ پر آمادہ ہو جائیں گے اور بہت سے پوشیدہ حقائق کو بے نقاب
 کر دیں گے۔ ولقد اعذر من انذر والسلام علی من اتبع الهدی
 وحشی عواقب الردی۔ (نجف اشرف عراق) (مؤلف)

مسلمانوں کا اختلاف

اختلاف و افتراق عربوں کی سرشت میں داخل ہے، اجداد و آباء کو ورثہ میں دے گئے، باپ بیٹوں کے لیے چھوڑ گئے، ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ اس کا وارث ہوتا چلا آیا، اور ایک قبیلہ کے بعد دوسرا قبیلہ بیک سلسلہ اختلاف کو حاصل کرتا رہا۔

قبل اسلام اختلاف ہی جزیہ نمائے عرب میں سرداری کر رہا تھا، میدانوں اور گھاٹیوں میں ڈیرے ڈالے تھا، سہل و جبل پر اپنے پرروں کا سایہ کر رہا تھا، عرب کے سرسرا گھر میں داخل ہو کر امت عربیہ کے دلوں میں نشوونما پاتا رہا ایک جگہ منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ غار حراء سے نور الہی ساطع ہوا جو تمام اطراف و اکناف میں پھیل گیا کورانہ تاریکی اور ظلمت جبل پر اگندہ ہوئی حق و واضح اور باطل پسپا ہوا، ان قبائل میں

جو اختلاف و عدوان کے خوگر تھے عدل و انصاف کا پرچم بلند ہو گیا روح مساوات کا نشوونما ہوا سب کے سب امن اور سلامتی کے پر پرے کے نیچے جمع ہو گئے حقیقت امر یہ ہے کہ امت اسلامیہ اپنے مرشد اعظم کے فضل و کمالات کی بدولت زندگی کے ایسے دور میں داخل ہو گئی جو آل حضرت کے قبل کبھی نصیب نہ ہوا تھا اور ایسے بلند مقام پر ممکن ہوئی جس پر تمام قومیں حد کرتی تھیں۔ اتفاق و اتحاد کے ایسے آخری درجہ تک پہنچ گئی جو دیکھنے والے کی نگاہوں کو تھکا دے اور واصف کی زبان کو گنگ کر دے۔

مرشد اعظم کی وفات بعد مسلمانوں کی حالت

نبی کریم کا انتقال ہوتے ہی نہ مانہ تیرہ و تار ہو گیا روح اتحاد میں کمزوری آگئی۔ فتنہ و فساد کی آگ پھر بھڑکنا شروع ہوئی۔ اختلاف آراء و افتراق خواہشات کا دور دورہ ہو گیا، مطامع نفسانیہ کا ظہور ہوا، دلوں کے پوشیدہ بھید کھل گئے۔
روما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل انان مات اول
انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبہ فلن یرضی اللہ
شیئاً و سيجزي اللہ الشاکرین

مسلمانوں نے نبی کریم کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد وقت اور موقع کی نزاکت کا احساس کیا اور یہ سمجھے کہ ہم کو ایک ایسے شخص کی سخت ضرورت ہے جو امور مسلمین کی نگہداشت کرے اور خلافت رسول کے بار کا متحمل ہو کر ان سے احکام